محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

اُصولِ فقہ

تدوین وتعارف

مقدمہ

فقیہِ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

ناشر

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

اُصولِ فقہ

تدوین وتعارف

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

ناشر

فاران ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ

نام کتاب : اُصولِ فقہ۔ تدوین وتعارف

نام مؤلف : محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

(E-mail: jamiljh04@gmail.com/Mob: 9576971884/8292017888)

سن طباعت : ۱۴۳۹ھ / ۲۰۱۷ء

تعداد : ۱۰۰۰

صفحات : ۹۶

ناشر : فاران ایجوکیشنل اینڈ چیری ٹیبل ٹرسٹ، دھنباد

قیمت : ۸۰/روپے

ملنے کے پتے

☆ دارین بک ڈپو، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ (یوپی)

☆ ملت بک سینٹر، کرمنجیشور، تعلقہ کنداپورا، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ جامعہ ام المؤمنین ام سلمہؓ، فردوس نگر، توپچانچی، دھنباد (جھارکھنڈ)

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کنداپورا تعلقہ، ضلع: اڈپی (کرناٹک)

☆ دار العلم، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)

فہرست مضامین

عناوین صفحہ نمبر

۞ پیش لفظ : حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ العالی ۱۰

۞ ابتدائیہ : محمد جمیل اختر جلیلی ندوی ۱۳

۞ اصولِ فقہ کے لغوی معنی ۱۵

۞ فقہ کی اصطلاحی تعریف ۱۶

۞ اصولِ فقہ کی اصطلاحی تعریف ۱۶

۞ فقہ اور اصول فقہ کے درمیان فرق ۱۸

۞ اصول فقہ اور قواعد فقہ کے مابین امتیاز ۱۹

۞ قاعدہ کی لغوی و اصطلاحی تعریف ۱۹

۞ موضوع ۲۰

۞ غرض وغایت ۲۱

۞ شرعی حیثیت ۲۱

۞ معاون علوم ۲۲

۞ اصول فقہ کے مصادر ۲۳

۞ اصول فقہ کے مباحث ۲۴

۞ دلیل کی لغوی و اصطلاحی تعریف ۲۴

۞ دلائل کی قسمیں ۲۴

۞ قرآن ۲۵

۞ سنت ۲۵

۞ سنت کی قسمیں ۲۶

۞ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اقوال وافعال، جو قانون نہیں ۲۶

۞ اجماع ۲۷

۞ اجماع کی قسمیں ۲۷

۞ قیاس ۲۸

۞ قیاس کے ارکان ۲۸

۞ قیاس کی قسمیں ۲۸

۞ استحسان ۳۰

۞ استحسان کی قسمیں ۳۰

۞ مصلحتِ مرسلہ ۳۲

۞ عرف ۳۳

۞ استصحاب ۳۴

۞ شرائع ماقبل ۳۴

۞ قول صحابی ۳۵

۞ سد ذریعہ ۳۶

۞ سد ذریعہ کی قسمیں ۳۶

۞ احکام کی لغوی واصطلاحی تعریف ۳۸

۞ احکام شرعیہ کی قسمیں ۴۰
۞ تکلیفی حکم ۴۰
۞ حکم تکلیفی کی قسمیں ۴۱
۞ واجب ۴۱
۞ مندوب ۴۱
۞ مباح ۴۲
۞ مکروہ ۴۲
۞ حرام ۴۳
۞ احناف کے نزدیک حکم تکلیفی کی قسمیں ۴۳
۞ فرض ۴۳
۞ واجب ۴۳
۞ مندوب ۴۴
۞ مباح ۴۴
۞ حرام ۴۵
۞ مکروہ تحریمی ۴۵
۞ مکروہ تنزیہی ۴۵
۞ حکم وضعی ۴۵
۞ حکم وضعی کی قسمیں ۴۵
۞ سبب ۴۶
۞ شرط ۴۶

۞ مانع ۴۷

۞ رخصت وعزیمت ۴۷

۞ عزیمت کے مراتب ۴۸

۞ احناف کے نزدیک رخصت کی قسمیں ۴۸

۞ صحیح وباطل ۴۹

۞ طرق استنباط ۵۰

۞ لغوی قواعد ۵۱

۞ خاص ۵۱

۞ خاص کی قسمیں ۵۲

۞ عام ۵۳

۞ عام کی قسمیں ۵۴

۞ مشترک ۵٦

۞ مشترک کا استعمال ۵٦

۞ مؤول ۵۷

۞ حقیقت ۵۷

۞ مجاز ۵۷

۞ صریح ۵۸

۞ کنایہ ۵۸

۞ ظاہر ۵۸

۞ نص ۵۸

- مفسر ۵۹
- محکم ۵۹
- خفی ۵۹
- مشکل ۶۰
- مجمل ۶۰
- متشابہ ۶۰
- عبارت النص ۶۱
- اشارت النص ۶۱
- دلالت النص ۶۱
- اقتضاءالنص ۶۱
- مفہوم مخالف ۶۱
- مقاصد شریعت ۶۲
- مقاصد شرعیہ کی قسمیں ۶۲
- قطعی ۶۲
- ظنی ۶۲
- ضروری ۶۳
- حاجی ۶۳
- تحسینی ۶۳
- اصلی ۶۴
- تبعی ۶۴

۞ عام ۶۴

۞ خاص ۶۴

۞ جزئی ۶۴

۞ ناسخ ومنسوخ ۶۴

۞ نسخ کے لغوی واصطلاحی معنی ۶۵

۞ نسخ کی صورتیں ۶۵

۞ تعارض وترجیح ۶۷

۞ تعارض کی شرطیں ۶۷

۞ تعارض کودور کرنے کے طریقے ۶۹

۞ تاریخ تدوین ۷۰

۞ عہد نبوی میں ۷۰

۞ عہد صحابہ میں ۷۳

۞ عہد تابعین میں ۸۰

۞ ترتیب وتدوین ۸۱

۞ مدون اول ۸۲

۞ بعد کے ادوار میں ۸۵

۞ اصول فقہ پر تصنیف شدہ کتابوں کا نہج ۸۶

۞ طریقۂ احناف ۸۶

۞ طریقۂ جمہور ۸۷

۞ احناف وجمہور کے درمیان جمع وتطبیق کا طریقہ ۹۰

۞ اصول کے مطابق فروعات کی تخریج کا طریقہ ۹۰

۞ مقاصد شریعت کے ساتھ ساتھ اصول پیش کرنے کا طریقہ ۹۱

۞ عصر حاضر کی بعض اچھی کتابیں ۹۱

۞ مصادر ومراجع ۹۲

●●●

پیش لفظ

از: فقیہِ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

(بانی وناظم: المعہد العالی الاسلامی حیدر آباد، وجنرل سکریٹری: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ ادْخُلُواْ فِيْ السِّلْمِ كَآفَّةً وَلاَ تَتَّبِعُواْ
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ (البقرۃ: ۲۰۸)

اے مسلمانو! پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقوش قدم کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد میں شریعت اسلامی کی ایک بنیادی خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعت زندگی کے تمام مسائل اور احوال وکوائف کا احاطہ کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین مسجد کی دیواروں تک محدود نہیں ہے؛ بل کہ پوری زندگی میں شیطانی منصوبوں کے مقابلہ ربانی ہدایات کو واضح کرتا ہے، علماء اسلام نے شریعت محمدی کی اس خصوصیت اور جامعیت کے پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے جو احکام قرآن مجید وحدیث میں صراحتاً یا اشارتاً موجود ہیں، ان کو واضح کیا ہی ہے؛ لیکن جن مسائل کا ذکر قرآن وحدیث میں نہیں ہے، قرآن وحدیث ہی سے استفادہ کرتے ہوئے ان کو بھی بیان فرمایا ہے، فقہائ کی اسی کوشش کو اجتہاد واستنباط کہا جاتا ہے۔

لیکن اجتہاد کوئی آسان عمل نہیں ہے، اس کے لئے گہرے علم اور اَن تھک جدوجہد کی ضرورت تو ہے ہی؛ لیکن جب تک مجتہد کے سامنے وہ اصول وقواعد نہ ہوں، جن کے ذریعہ احکام

اخذ کئے جاتے ہیں، تب تک اس راہ کا مسافر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اصولِ فقہ وجود میں آیا، اس علم میں چوں کہ نقلِ روایت کے ساتھ ساتھ؛ بل کہ اس سے بڑھ کر فہم وفراست، بالغ نظری اور قوتِ فکریہ کی ضرورت تھی؛ اس لئے مختلف ادوار میں نابغہ ٔروزگار علماء ومحققین نے اسے وجود بخشا اور اس کی تدوین وارتقاء میں حصہ لیا ہے، یہ حقیقت بھی لائق وضاحت ہے کہ اس فن یعنی اصولِ قانون کو فقہاء اسلام کی اولیات میں شمار کیا گیا ہے اور مستشرقین نے اپنے تعصب کے باوجود اس کا اعتراف کیا ہے۔

اس فن کی اہمیت کی وجہ سے دوسری صدی ہجری میں سے لے کر آج تک بڑے اکابر اہل علم نے اس کو اپنی فکر کی جولان گاہ بنایا ہے، احناف، مالکیہ، شوافع، حنابلہ اور ظاہریہ وغیرہ نے اس موضوع پر انسائیکلو پیڈیائی خدمات انجام دی ہیں، ظاہر ہے یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں، اردو زبان میں بھی دینی مدارس کے ساتذہ وطلبہ کی سہولت کے لئے یا تو بعض درسی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا ہے، یا مستقل طور پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک لائق تحسین کاوش عزیز مکرم مولانا جمیل اختر جلیلی ندوی نے کی ہے، جو آپ کے سامنے ہے، عزیزی سلّمہٗ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسی تاریخی درس گاہ کے فاضل ہیں، انھوں نے فقہی تربیت المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں پائی ہے، یہ یہاں کے ہونہار فرزندوں میں ہیں، اس سے پہلے بھی ان کی بعض تحریریں شائع ہوکر اصحابِ ذوق کے درمیان پذیرائی حاصل کر چکی ہیں، وہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فقہی سمیناروں میں بھی پابندی سے مقالات لکھتے ہیں، جن کو وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور اس وقت ''جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور'' میں دوسرے مضامین کے علاوہ تخصص فی الفقہ کے بعض مضامین بھی پڑھاتے ہیں اور ایک کامیاب استاذ ہیں۔

ان کی یہ تازہ تالیف ’’اُصولِ فقہ - تدوین وتعارف‘‘ مختصر ہونے کے باوجود اُصولِ فقہ سے متعلق تمام موضوعات کے ضروری مضامین کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے، اُصولِ فقہ کی تعریف، اصول وقواعد کا فرق، اُصولِ فقہ کا موضوع اور مقصد، اس کے لئے معاون علوم اور اُصولِ فقہ کے بنیادی مآخذ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اُصولِ فقہ کے تین بنیادی مباحث ’’ادلہ شرعیہ، احکام تکلیفیہ ووضعیہ‘‘ اور نصوص کی اپنے معنی پر دلالت کے سلسلہ میں ضروری قواعد، نیز نسخ وترجیح اور اُصولِ فقہ کی تدوین جیسے تمام اہم پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، اصطلاحات کی تعریف اور ان کی مثالوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا، ہر بات حوالہ کے ساتھ کہی گئی ہے، نیز زبان آسان رکھنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ اصحابِ ذوق بھی استفادہ کرسکیں، ان شاءاللہ یہ رسالہ اُصولِ فقہ پڑھنے پڑھانے والے اساتذہ وطلبہ اور دوسرے اصحابِ ذوق کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف عزیز کی اس کاوش کو قبول عام عطا فرمائے اور ان کو دین اور علم دین کی خدمت کی توفیق ارزانی ہوتی رہے۔

واللہ ھو المستعان۔

۷ رشوال ۱۴۳۸ھ — خالد سیف اللہ رحمانی

۲ رجولائی ۲۰۱۷ء — (خادم: المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

●●●

ابتدائیہ

حامداً ومصلّیاً ومسلماً امابعد!

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مکلف بندوں کو جو بھی احکام دئے ہیں، وہ سب عمل کے اعتبار سے یکساں درجہ نہیں رکھتے ہیں، کسی حکم کے اندر مطالبہ حتمی ہے تو کسی کے اندر غیر حتمی؛ لیکن اس کا سمجھ پانا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں؛ بل کہ اس کے لئے گہرے علم اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے 'حتمی اور غیر حتمی' حکم کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت دی ہے، انھیں ہم 'فقہاء' کہتے ہیں، ان کا ہم عوام پر یہ بڑا احسان ہے کہ انھوں نے پوری محنت اور جاں فشانی سے ایسے اصول مرتب کر کے ہمارے سامنے پیش کئے، جن کے ذریعہ سے ہم بہ آسانی 'حتمی اور غیر حتمی' حکم کی پہچان کر سکتے ہیں، یہی اصول 'اصولِ فقہ' کے نام سے موسوم ہے۔

اصولِ فقہ کا موضوع کوئی نیا نہیں ہے؛ بل کہ زمانۂ دراز سے بڑے بڑے مصنفین نے اس کو اپنی جولان گاہ بنایا ہے، اطناب وتطویل کے ساتھ بھی اور ایجاز واختصار کے ساتھ بھی؛ حتی کہ اگر کوئی اس موضوع پر تالیف شدہ کتابوں کی صرف فہرست سازی کرنے کی کوشش کرے تو اسے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے پڑیں گے؛ لیکن فہرست سازی کی تکمیل شاید ہی ہو سکے۔

زیر مطالعہ کتاب ''**اصولِ فقہ - تدوین وتعارف**'' بھی اسی سلسلہ کی ایک ادنی کوشش ہے، جو جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور (کرناٹک) کے شعبۂ تدریب افتاء وقضاء کے رہینِ منت ہے؛ اس لئے اس کتاب کو اسی کے نام معنون کرتا ہوں۔

اس کتاب کی اشاعت پر سب سے پہلے بارگاہِ ایزدی میں سجدۂ شکر بجالاتا ہوں، جس

نے کئی سالوں تک اس کی تدریس، پھر اس کی تالیف اور اشاعت کی توفیق بخشی، پھر استاذ گرامی قدر، فقیہِ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی متعنا اللہ بطول حیاتہ کا دل کی گہرائیوں سے ممنون ومشکور ہوں، جن کی نیاز مندی نے نہ جانے کتنے شئ غیر مذکور کو قابل ذکر بنا دیا، کہ انھوں نے اپنے قیمتی اور مصروف ترین اوقات میں سے وقت نکال کر ہم خوردوں کی حوصلہ افزائی کے لئے بیش قیمت 'پیش لفظ' تحریر فرما کر اس کتاب کی قدر و قیمت میں کئی گنا اضافہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو تادیر ہمارے سروں پر صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھے، آمین!

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں استاذ محترم جناب مفتی شاہد علی قاسمی دامت برکاتہم کا شکریہ ادا نہ کروں، جنھوں اس کتاب پر نظر ثانی اور تصحیح فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ انھیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے، اسی طرح عم محترم جناب مولانا آفتاب عالم ندوی مدظلہ العالی (ناظم: جامعہ ام سلمہ، فردوس نگر، دھنباد، جھارکھنڈ) اور برادر نسبتی جناب مفتی شہاب الدین قاسمی مدظلہ العالی (جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء جھارکھنڈ) بھی خصوصی شکریے کے مستحق ہیں، جو نہ صرف میرے علمی کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں؛ بل کہ تسلسل کے ساتھ رہنمائی بھی فرماتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان حضرات کا سایہ خیر وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے، نیز اپنے والدین کا بھی شکر گزار ہوں، جن کی دعائے نیم شبی ہی میرے لئے اصل سرمایۂ حیات ہیں، اپنے تمام بھائی بہنوں اور اہلیہ کا بھی ممنون ہوں، جن کے حوصلہ افزا کلمات مہمیز کا کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام کو اور جنھوں نے طباعت میں تعاون کیا، اجر جزیل سے نوازے، آمین!

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع اور خیر کا ذریعہ بنائے اور صاحبِ ذوق قارئین کے سامنے اس حقیر کو رسوائی سے بچائے، آمین یارب العالمین!!

۲۹؍شوال ۱۴۳۹ھ ہیچ مداں
۱۹؍اکتوبر ۲۰۱۷ء محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لغوی معنی

اصولِ فقہ دو لفظوں سے مرکب ایک کلمہ ہے، ایک لفظ 'اصول' ہے اور دوسرا 'فقہ'، اصول ''اصل'' کی جمع ہے، جس کے معنی ''نیچے کی چیز'' اور ''جڑ و بنیاد'' کے آتے ہیں؛ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کی غذا ''زقّوم'' کا درخت بتایا، پھر اُس کی جڑ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

> **إِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ أَصْلِ الْجَحِيْمِ** (الصفّٰت: ٦٤)
>
> وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں۔

اِسی طرح اچھی بات کو مثال سے سمجھاتے ہوئے فرمایا:

> **أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ** (ابراھیم: ٢٤)
>
> کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی مثال پیش کی ایک اچھی بات کی کہ اُس کی جڑ مضبوط ہے اور اُس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔

پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہر اُس چیز کو 'اصل' کہا جانے لگا، جس پر کسی چیز کا مدار ہو یا جو کسی چیز کے وجود کا ذریعہ بنے؛ چنانچہ باپ کو بیٹے کے لئے اور نہر کو چھوٹی نالیوں کے لئے اصل کہا

جاتا ہے(۱)۔

جب کہ فقہ کے اصل معنی ’’کسی چیز کے جاننے اور سمجھنے‘‘ کے آتے ہیں، قرآن مجید میں ہے:

> قَالُو اْیَا شُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْر اً مِمَّا تَقُولُ وَ إِنَّا لَنَرَ اکَ فِیْنَا ضَعِیْفاً
> وَ لَوْ لاَ رَهْطُکَ لَرَ جَمْنَا کَ وَ مَا أَنتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ (ھود: ۹۱)
>
> لوگوں نے کہا: اے شعیب! ہم تمہاری اکثر باتیں نہیں سمجھ پا رہے ہیں اور ہم تم کو اپنے میں کمزور بھی دیکھ رہے ہیں، اگر تمہاری جماعت تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو ہم تم پر پتھر برساتے اور ہماری نگاہ میں تمہاری کوئی عزت نہیں ہے۔

پھر تمام علوم پر علمِ دین کی فضیلت، شرافت اور سیادت کی وجہ سے خاص ’’علمِ دین کی سمجھ‘‘ کو فقہ کہا جانے لگا(۲)۔

جب ان دونوں مفرد لفظوں کو جوڑا جاتا ہے تو اِن کے معنی ’’فقہ کی جڑ اور بنیاد‘‘ کے ہوتے ہیں، یعنی ایسی چیز، جس پر فقہ کا مدار ہے اور جس کے نہ ہونے کی صورت میں فقہ کی حیثیت ایک بے بنیاد عمارت کی سی ہے۔

فقہ کی اصطلاحی تعریف

اصطلاح میں ’فقہ‘ ’’احکامِ شرعیہ عملیہ کو اُس کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے‘‘ کا نام ہے(۳)۔

اصولِ فقہ کی اصطلاحی تعریف

متکلمین اور اصولیین نے الفاظ کے فرق اور کچھ کمی بیشی کے ساتھ اصولِ فقہ کی مختلف

---

(۱) المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للفیومی: ۹۵/۱، مادۃ: اص ل، نیز دیکھئے: کتاب التعریفات للجرجانی، باب الألف: ۹۵/۱

(۲) لسان العرب: ۵۲۲/۱۳، مادۃ: فقہ

(۳) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت: ۱۱/۱، اُصول الفقہ لأبی زہرہ، ص: ۶، علم أصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۲

تعریفیں کی ہیں، یہاں قدرے واضح تعریف کونقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اصطلاح میں اصولِ فقہ" اُن قواعد کے حصول اور ادراک کو کہتے ہیں، جن کے ذریعہ سے احکامِ شرعیہ فرعیہ کا استنباط تفصیلی دلائل کے ساتھ تحقیقی طور پر کیا جا سکے" (۴)۔

"تحقیقی طور پر" کہہ کر "علم الخلاف" (یعنی وہ علم، جس میں اجمالی اور تفصیلی ادلہ کے ذریعہ استنباط کے مختلف طریقوں کو تلاش کیا جاتا ہے، پھر جو طریقہ جس مجتہد کی سمجھ میں آتا ہے، اس کی روشنی میں مسئلہ مستنبط کرتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے مجتہد سے اختلاف رائے ہوجاتا ہے(۵)) اور "علم الجدل" (جس کو علمِ مناظرہ بھی کہا جاتا ہے، جس میں مسلمات اور مشہورات کے ذریعہ قیاس کیا جاتا ہے (۶)) سے احتراز مقصود ہے؛ اس لئے کہ اگرچہ یہ دونوں علوم بھی ایسے قواعد پر مشتمل ہیں، جو مسائل فقہ تک پہنچانے میں معاون ہوتے ہیں؛ لیکن اِن کا مقصد صرف فریق کو الزامی طور پر جواب دینا ہوتا ہے، نہ کہ کوئی تحقیقی جواب (۷)۔

"احکام" کہہ کر ذوات (جیسے: متعین شخص زید، بکر اور عمرو وغیرہ) اور صفاتِ حقیقیہ (یعنی ذات سے متعلق لازم علامت، جیسے: اللہ تعالیٰ کے لئے علم، قدرت اور حیات وغیرہ) کے علم سے احتراز ہے کہ اِن کا تعلق اصول فقہ سے نہیں (۸)۔

"شرعیہ" کے ذریعہ سے احکامِ حسیہ (جیسے: آگ جلانے والی چیز ہے)، احکامِ عقلیہ (جیسے: ظلم بُری شئ ہے یا ایک دو کا نصف ہے) اور احکامِ وضعیہ (جیسے: فاعل مرفوع ہوتا ہے، أنّ

---

(۴) ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول للشوکانی، الفصل الأول فی تعریف الأصول: ۱۸/۱، نیز دیکھئے: علم اصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۲، فواتح الرحموت: ۱/ ۱۴

(۵) الاختلاف الفقہی فی المذہب المالکی، ص: ۱۴، مفتاح السعادۃ، ص: ۲۸۷

(۶) معجم مصطلحات أصول الفقہ، حرف الجیم، ص: ۱۵۴

(۷) ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الأصول للشوکانی، الفصل الأول فی تعریف الأصول: ۱۸/۱

(۸) المحصول فی علم اصول الفقہ، الفصل الاول فی تفسیر اصول الفقہ: ۷۹/۱

کا اسم منصوب ہوتا ہے) جیسے علوم سے بچنا مقصود ہے کہ اِن کا تعلق اصولِ فقہ سے نہیں (۹)۔

''فرعیہ'' سے مراد وہ احکام ہیں، جن کا تعلق عمل سے ہو؛ چنانچہ کلامی اور اعتقادی احکام اِس سے خارج ہوگئے کہ اِن کا تعلق بھی اصولِ فقہ سے نہیں ہے۔

''تفصیلی دلائل'' سے مراد وہ جزئی دلائل ہیں، جن کا تعلق مخصوص مسائل سے ہو اور جو عین حکم پر دلالت کرتے ہیں، جیسے: حرمت علیکم أمهاتکم (النساء: ۲۳) کہ یہ مخصوص مسئلہ ماؤوں سے نکاح کی حرمت پر دلالت کررہا ہے، اِسی طرح: فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور (الحج: ۳۰) کہ یہ مخصوص مسئلہ بت پرستی اور جھوٹی گواہی کے حرام ہونے پر دلالت کررہا ہے، اِس کے بالمقابل ''اجمالی دلائل'' ہیں، جن میں تفصیل نہیں ہوتی اور جن کے تحت متعدد جزئیات مندرج ہوتے ہیں، جیسے: امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اس کے تحت صیغۂ امر سے وارد ہونے والے احکام مندرج ہوتے ہیں اور نہی حرمت کے لئے، اس کے اندر صیغۂ نہی سے وارد ہونے والے احکام مندرج ہوتے ہیں (۱۰)۔

فقہ اور اصولِ فقہ کے درمیان فرق

فقہ اور اصولِ فقہ کی تعریفات سے دونوں کے مابین فرق بھی واضح ہوگیا کہ فقہ احکامِ شرعیہ عملیہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جاننے کا نام ہے، جب کہ اصولِ فقہ اُن قواعد سے واقفیت کا نام ہے، جن کے ذریعہ سے احکام شرعیہ کا استنباط کیا جاتا ہے۔

عموم اِس طور پر کہ اصولی اور فقیہ دونوں عملی مسائل کے تفصیلی دلائل پر غور کرتے ہیں، مثلاً: نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کے تفصیلی دلائل کو دیکھتے ہیں، اور خصوص اِس طور پر کہ اصولی تفصیلی

---

(۹) اصول الفقہ لمحمد زکریا البردیسی، ص: ۲۶

(۱۰) الوجیز فی اصول الفقہ للزحیلی، ص: ۱۴-۱۳

دلائل پر اِس لئے غور کرتا ہے؛ تا کہ وہ متعدی ہونے والا عام قاعدہ مستنبط کر سکے، جب کہ فقیہ اِس لئے غور کرتا ہے؛ تا کہ وہ اصولی کے وضع کردہ قواعد (جیسے: امر وجوب کا تقاضا کرتا ہے اور نہی حرمت کا) کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر مسئلہ سے متعلق جزئی عملی حکم کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ سے مستنبط کر سکے (۱۱)۔

اصولِ فقہ اور قواعدِ فقہ کے مابین امتیاز

اصولِ فقہ اور فقہ کے درمیان فرق جاننے کے بعد قواعدِ فقہ اور اصولِ فقہ کے مابین فرق کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے؛ اس کے لئے پہلے قاعدہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی جاننا ضروری ہے:

قاعدہ کی لغوی واصطلاحی تعریف

قاعدہ لغوی اعتبار سے ''بنیاد'' کو کہتے ہیں، اس کی جمع قواعد آتی ہے (۱۲)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ
> أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرة:۱۲۷)
>
> اور یاد کرو اس وقت کو، جب کہ ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی
> بنیاد اُٹھا رہے تھے اور (دعا مانگ رہے تھے) اے ہمارے رب!
> ہماری اِس کوشش کو قبول فرمالے، بلاشبہ تو سننے اور جاننے والا ہے۔

اصطلاح میں 'قواعد' ''ایسے حکمِ اکثری کو کہتے ہیں، جو اپنے تمام جزئیات پر منطبق ہو جائے؛ تا کہ اُن جزئیات کے احکام کو اُس کے ذریعہ سے جانا جا سکے'' (۱۳)۔

---

(۱۱) التاسیس فی اصول الفقہ علی ضوء الکتاب والسنۃ، لأبی إسلام مصطفی بن محمد سلامۃ، ص:۱۶

(۱۲) لسان العرب، لفظ: قعد:۱۱/۲۳۹

(۱۳) غمز عیون البصائر، الفن الأول: قول فی القواعد الکلیۃ:۱/۵۱

اصولِ فقہ اور قواعدِ فقہ کی تعریفات کو سامنے رکھنے سے درج ذیل اہم فروق ہمیں معلوم ہوتے ہیں:

١۔ اصول ایسے کلیات کو کہتے ہیں، جو اپنے تمام جزئیات اور موضوعات پر منطبق ہوتے ہیں (جیسے: مطلق نہی تحریم کے لئے ہوتا ہے اور مطلق امر وجوب کے لئے)، جب کہ قواعد ایسے کلیات کو کہتے ہیں، جو عام طور پر اپنے تمام جزئیات پر نہیں؛ بل کہ اکثر جزئیات پر منطبق ہوتے ہیں۔

٢۔ اصول کے ذریعہ احکامِ شرعیہ عملیہ کا استنباط کیا جاتا ہے، جب کہ قواعد کے ذریعہ سے مشابہت رکھنے والے ایک جیسے مسائل کے حکم کی یاددہانی میں تسہیل اور تقریب مقصود ہوتی ہے۔

٣۔ اصول کا تعلق عموماً الفاظ اور احکام پر اُن کی دلالت سے ہوتا ہے، جب کہ قواعد کا تعلق نفسِ احکام سے ہوتا ہے۔

٤۔ اصول قواعد کلی ہوتے ہیں، جب اپنے مضمون پر متفق ہوجائیں تو کوئی شئ اُس سے مستثنیٰ نہیں ہوتی، جب کہ قواعدِ فقہیہ اکثری ہوتے ہیں، اِن سے مسائل مستثنیٰ ہوتے ہیں (١٤)۔

موضوع

اصولِ فقہ کا موضوع ''وہ دلائل ہیں، جن کے ذریعہ سے احکامِ عملیہ کے حکم پر استدلال کیا جاتا ہے''، جیسے کیا واجب ہے؟ کیا حرام ہے؟ کیا مکروہ ہے؟ کون سا حکم خاص ہے اور کون سا عام؟ کس حکم پر مطلق عمل کیا جاسکتا ہے اور کس پر کسی قید کے ساتھ؟ اسی طرح کون سا حکم منسوخ ہے اور کون سا ناسخ؟ اسی طرح ''مذکورہ دلائل سے ثابت ہونے والے وہ احکام بھی ہیں، جن کے ذریعہ سے مکلف کے کسی عمل کو درست اور نادرست قرار دیا جاتا ہے'' (١٥)، جیسے: چوری کرنا حرام ہے،

---

(١٤) المہذب فی اصول الفقہ المقارن: ١/٦٣-٣٥، تیسر علم اصول الفقہ، ص: ١٣، الوجیز فی ایضاح قواعد الفقہ الکلیۃ، ص: ٢٠

(١٥) المصفی فی اصول الفقہ، ص: ٦٧، اصول الفقہ الاسلامی لمحمد شبلی، ص: ٤٠

یہ مکلف کا وہ عمل ہے، جس کے حرام ہونے کا ثبوت قرآنی دلیل ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (۱۶)﴾ سے ثابت ہورہا ہے، یہ اور اس طرح کی تمام معلومات، جن دلائل سے حاصل ہوں، وہی دلائل اِس فن کا موضوع ہیں۔

چنانچہ ایک اصولی دلیل کے الفاظ، اُس کے صیغہ اور اُس کے معانی پر غور کرتا ہے، پھر کوئی حکم لگاتا ہے، اگر دو یا اُس سے زائد دلیلوں کے مابین تعارض واقع ہورہا ہو تو اُن میں سے کسی ایک کو راجح قرار دیتا ہے یا جمع وتطبیق کا عمل کرتا ہے۔

غرض وغایت

کسی بھی فن کے حاصل کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، جیسے نحو کے حصول کا مقصد اعرابی غلطیوں سے محفوظ رہنا ہے، اسی طرح اصولِ فقہ کے حصول اور اُس سے واقفیت کا مقصد ’’محفوظ طریقہ سے احکامِ شرعیہ کا استنباط اور اس پر پوری قدرت کا حصول‘‘ ہے(۱۷)۔

چنانچہ اِس کے حاصل کرلینے کے بعد کسی بھی چیز پر حکم لگانے میں غلطی (مثلا: مباح کو حرام یا حرام کو مباح) کا امکان بہت ہی کم ہوتا ہے۔

شرعی حیثیت

اِس علم کا تعلق چوں کہ اجتہاد سے ہے اور ظاہر ہے کہ اجتہاد ہر شخص پر لازم نہیں؛ اِس لئے اس علم کا حصول بھی ہر شخص پر ضروری نہیں؛ بل کہ قوم کے بعض افراد اگر اِس کو حاصل کرلیں تو پوری قوم کے لئے کافی ہے، یعنی یہ علم بھی اُن علوم میں سے ہے، جن کا حاصل کرنا ’’فرضِ کفایہ‘‘ کے درجہ میں ہے۔

---

(۱۶) المائدۃ:۳۸

(۱۷) اصول الفقہ تاریخہ ورجالہ للدکتور شعبان، ص:۱۷

بعض اہلِ علم کی رائے یہ بھی ہے کہ اِس علم کا حصول فرض ہے؛ کیوں کہ احکامِ شرعیہ پر عمل آوری کے بغیر آخرت کے عذاب سے نجات مشکل ہے اور احکامِ شرعیہ پر عمل آوری اُسی وقت ممکن ہے، جب کہ اِس علم کو حاصل کیا جائے؛ البتہ عوام الناس کی رہبری کرنے والے علماء و مفتیان پر اس علم کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے اور عوام پر اِس کا بدل، یعنی اِس علم کے جاننے والوں سے پوچھنا ضروری ہے(۱۸)۔

معاون علوم

اصولِ فقہ کا فن کئی علوم کا نچوڑ اور مستفاد ہے؛ چنانچہ اِس کے معاون علوم درج ذیل ہیں:

۱-**علمِ کلام:** یہ ایسا علم ہے، جس میں عقلی دلائل کے ذریعہ سے عقیدۂ توحید کو ثابت کیا جاتا ہے اور اِس طرح اُن بدعقیدہ لوگوں کی تردید کی جاتی ہے، جو عقائد کے باب میں اہلِ حق کے مسلک سے ہٹ جاتے ہیں، اصولِ فقہ میں حاکم کے وجود اور عدمِ وجود، تکلیف مالا یطاق، حدوث سے پہلے تکلیف بالفعل، غیر موجود شئی سے خطاب اور عصمتِ انبیاء وغیرہ جیسے مسائل اِسی علم سے تعلق رکھتے ہیں۔

۲-**عربی زبان کا علم:** قرآن مجید کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش بھی ایسے علاقہ میں ہوئی، جہاں کی بول چال عربی تھی؛ اس لئے لازمی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی عربی زبان ہی میں گفتگو فرماتے تھے، اور ظاہر ہے کہ کسی بھی حکم کے لئے دلیل انہی دو چیزوں (کتاب وسنت) سے لی جاتی ہے اور اِن دو چیزوں میں مستعمل الفاظ کبھی عام ہوتے ہیں تو کبھی خاص، کبھی مطلق تو کبھی مقید اور اسی طرح کبھی مجمل تو کبھی مبین اور ان کو عربی زبان سے واقفیت کے بغیر سمجھا نہیں جا سکتا؛ اس لئے اصول فقہ سے تعلق رکھنے والے کے لئے عربی

---

(۱۸) المیزان فی اصول الفقہ لأبی الفتح محمد بن الحمید الأسمندی، ص:۶

زبان کا علم رکھنا بھی ضروری ہے۔

۳-احکامِ شرعیہ: اصول فقہ کا موضوع چوں کہ وہ دلائل ہیں، جن کے ذریعہ سے کسی بھی حکم کو ثابت کیا جاتا ہے، لہٰذا لازمی طور پر اصول فقہ کا تعلق احکام شرعیہ سے ہوا، جن کو ہم ''علمِ فقہ'' کے نام سے جانتے ہیں، جب دونوں کا آپسی تعلق اور ربط ثابت ہے تو اصول کو جاننے کے لئے احکام کا جاننا ضروری ہوگا کہ اِس کے بغیر اصول ادھورا ہے۔

۴-علمِ منطق: اصولِ فقہ میں چوں کہ قیاس کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے اور اِس کے اثبات ونفی میں منطقی قضایا کی ضرورت پیش آتی ہے، جو فکری غلطی سے محفوظ رکھنے میں معاون ہوتے ہیں؛ اِس لئے یہ علم بھی اصولِ فقہ کے ساتھ جڑا ہوا ہے؛ چنانچہ ایک اصولی کے لئے اِس سے بھی واقفیت ضروری ہے (۱۹)۔

اصولِ فقہ کے مصادر

جب اصولِ فقہ ایک فن کی حیثیت رکھتا ہے تو ہمیں اِس فن کا مأخذ اور مصدر بھی جاننا چاہئے، اصولِ فقہ کے مصادر سے مراد وہ 'ادلہ' اور 'اصول' ہیں، جن پر اِس کے قواعد کی بنیاد ہے، وہ درج ذیل ہیں:

۱۔قرآن مجید۔

۲۔احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

۳۔آثار صحابہ رضی اللہ عنہم۔

۴۔آثار تابعین۔

---

(۱۹) البحر المحیط للزرکشی: ۱/ ۲۱، اصول الفقہ تاریخہ ورجالہ للدکتور شعبان محمد اسماعیل، ص: ۱۶، المذہب فی أصول المذہب علی المنتخب، ص: ۳۳

۵۔ اجماعِ سلف۔

۶۔ عربی زبان کے قواعد وشواہد۔

۷۔ اہلِ علم کے شرعی ضابطوں کے مطابق اجتہادات --------- یہ وہ مآخذ ہیں، جن کو سامنے رکھ کر اصولِ فقہ کی ترتیب وتدوین عمل میں آئی ہے(۲۰)۔

اصولِ فقہ کے مباحث

بنیادی طور پر اصولِ فقہ کا دائرۂ بحث تین چیزیں ہوتی ہیں:

۱۔ دلائل ۲۔ احکام ۳۔ طرقِ استنباط

دلیل کے لغوی واصطلاحی معنی

'دلیل' دَلَّ یَدُلُّ کا اسمِ فاعل ہے، جس کے معنی ''رہنمائی کرنے والے اور کھولنے والے'' کے آتے ہیں، اس کی جمع أدلة و أدلاء آتی ہے(۲۱)۔

اصطلاح میں دلیل ''ایسی چیز کو کہتے ہیں، جس کے ذریعہ صحیح غور وفکر کر کے ظنی یا قطعی شرعی حکم تک پہنچنا ممکن ہو'' (۲۲)۔

دلائل کی قسمیں

دلیلوں کو چار اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ عمل کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے۔

۲۔ شناخت وذرائع کے اعتبار سے۔

---

(۲۰) معالم اصول الفقہ، ص: ۲۳

(۲۱) المصباح المنیر، کتاب الدال: ۱/ ۱۹۹، لسان العرب، مادۃ: دلل: ۱۱/ ۲۴۷، مختار الصحاح، باب الدال: ۱/ ۲۱۸

(۲۲) معجم مصطلحات أصول الفقہ، حرف الدال، ص: ۲۰۷، معجم اصول الفقہ، ص: ۱۳۲، کشاف اصطلحات الفنون، ص: ۷۹۴، شرح الکوکب المنیر: ۱/ ۵۲

۳۔ قوت کے اعتبار سے۔

۴۔ کلیت وجزئیت کے اعتبار سے۔

۱۔ عمل کرنے اور نہ کرنے کے اعتبار سے----اس کی تین قسمیں ہیں:

(الف) جو متفق علیہ ہیں: یعنی جن میں کسی کا اختلاف نہیں، وہ دو دلیلیں ہیں:

۱۔ قرآن ۲۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن

’قرآن‘ مصدر ہے **قرأیقرأ** کا، جس کے معنی ’’ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے اور زبانی یا دیکھ کر پڑھنے‘‘ کے آتے ہیں (۲۳)، اصطلاح میں قرآن ’’(اللہ تعالیٰ کے) ان الفاظ کو کہتے ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر (حضرت جبرئیلؑ کے واسطہ سے) نازل کئے گئے، جن کی تلاوت کو عبادت اور باعثِ ثواب قرار دیا گیا اور جو تواتر کے ساتھ منقول ہیں‘‘ (۲۴)۔

سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سنت کے لغوی معنی ’’راستہ‘‘ کے آتے ہیں، خواہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ (۲۵)، جب کہ شرعی معنی ’’دین کا ہموار راستہ‘‘ کے آتے ہیں (۲۶)، اصولیین کے نزدیک سنت ’’آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر‘‘ کو کہتے ہیں (۲۷)، تقریر سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کوئی کام کیا گیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو نہیں کیا گیا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کے

---

(۲۳) المعجم الوسیط، لفظ: قرأ، ص: ۷۴۸

(۲۴) مناھل العرفان، القرآن عند الأصولیین والفقہاء وعلماء العربیۃ: ۱/۱۹، علم أصول الفقہ، ص: ۲۳

(۲۵) المصباح المنیر: ۱/۱۴۴

(۲۶) التعریفات للجرجانی، ص: ۱۰۵، کتاب الکلیات للکفوی، فصل السین: ۱/۷۸۳

(۲۷) فواتح الرحموت: ۲/۱۱۷

بارے میں معلوم ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی۔

سنت کی قسمیں

اصولیین راویوں کی تعداد کے اعتبار سے سنت کی تین قسمیں کرتے ہیں:

۱۔ متواتر: متواتر اس سنت کو کہتے ہیں، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنے لوگوں نے روایت کی ہو، جن کا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً (یعنی تعداد کی کثرت اور امانت داری کی وجہ سے) محال ہو۔

۲۔ مشہور: اس سنت کو کہتے ہیں، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک یا دو صحابی نے نقل کیا ہو، پھر ان سے نقل کرنے والوں کی تعداد حدِ تواتر (سنتِ متواتر کی تعداد تک) کو پہنچ جائے۔

۳۔ آحاد: اس سنت کو کہتے ہیں، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک یا دو صحابی نے نقل کیا ہو، پھر ہم تک پہنچنے تک راویوں کی تعداد ایک دو ہی کی رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اقوال وافعال، جو قانون نہیں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جو اقوال وافعال قانون کا درجہ نہیں رکھتے اور جن کی اتباع لازم نہیں ہے، درج ذیل ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ افعال، جو تقاضائے بشری کے موافق ہیں، جیسے: اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور چلنا پھرنا وغیرہ، یہ قانون کا درجہ نہیں رکھتے؛ البتہ اگر دلیل سے یہ معلوم ہو جائے کہ ان افعال کی اقتدا چاہی جارہی ہے تو پھر قانون کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ افعال، جو دنیاوی امور سے متعلق تجربات کی روشنی میں ہیں، جیسے: کھیتی باڑی وغیرہ، یہ بھی قانون کے درجہ میں نہیں۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ افعال، جو آپ کے لئے مخصوص ہیں، جیسے: چار سے زائد شادیاں، یہ بھی قانون کے درجہ میں نہیں (۲۸)۔

---

(۲۸) علم اصول الفقہ، ص:۳۶ ومابعدہا، فواتح الرحموت: ۲/ ۱۱۷ ومابعدہا، مختصر التحریر فی أصول الفقہ لابن النجار الحنبلی، ص:۱۰۱

(ب) جن میں معمولی اختلاف ہے: یعنی اکثر لوگ عمل کے لحاظ سے ان کو دلیل مانتے ہیں؛ البتہ بعض حضرات نہیں مانتے، وہ بھی دو ہیں:

۱۔ اجماع ۲۔ قیاس

اجماع

اجماع کے معنی ''متفق ہونے'' کے آتے ہیں(۲۹)، اصطلاح میں اجماع'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کسی زمانہ میں تمام مسلمان مجتہدین کا کسی واقعہ کے حکم شرعی پر متفق ہونے'' کو کہتے ہیں(۳۰)، جمہور اس کو دلیل قرار دیتے ہیں، جب کہ معتزلہ میں سے نظّام اور بعض شیعہ دلیل تسلیم نہیں کرتے۔

اجماع کی قسمیں

اجماع کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اجماعِ صریحی: وہ اجماع ہے، جس میں تمام مجتہدین اپنی رائے کا صراحۃً اظہار کریں، خواہ فتوی کی شکل میں ہو یا فیصلہ کی صورت میں، احناف کے نزدیک اسے ''عزیمت'' کہا جاتا ہے، یہ جمہور کے نزدیک دلیل قطعی ہے۔

۲۔ اجماعِ سکوتی: وہ اجماع ہے، جس میں بعض مجتہدین اپنی رائے تو صراحۃً ظاہر کریں، جب کہ بعض صراحۃً ظاہر کرنے کے بجائے سکوت اختیار کریں، اصولیینِ احناف اس کو ''رخصت'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں، یہ حجت ظنی ہے(۳۱)۔

---

(۲۹) المعجم الوجیز، ص: ۱۲۴

(۳۰) فواتح الرحموت: ۲/ ۲۶۰، أصول الفقہ لأبی الثناء اللامشی، ص: ۱۶۵، أصول السرخسی: ۱/ ۲۹۵

(۳۱) اصول البزدوی، باب الاجماع، ص: ۲۳۹، جمع الجوامع مع حاشیۃ البنانی: ۱/ ۱۸۷

قیاس

قیاس کے معنی ''اندازہ لگانے'' کے آتے ہیں (۳۲)، اصطلاح میں قیاس ''غیر منصوص علیہ مسئلہ کو منصوص علیہ مسئلہ کے ساتھ علت کے ایک ہونے کی وجہ سے ملانے'' کو کہتے ہیں، یعنی ایک مسئلہ ایسا ہے، جس پر قرآن وحدیث کی صریح دلیل موجود ہے، جب کہ دوسرے مسئلہ کی دلیل نہیں ہے؛ لیکن دونوں کی علت ایک ہی ہے، ایسی صورت میں بغیر دلیل والے مسئلہ کو دلیل والے مسئلہ کے ساتھ حکم میں ملایا جاتا ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی قرار پاتا ہے، قیاس بھی جمہور کے نزدیک دلیل ہے؛ البتہ نظامیہ، ظاہریہ اور بعض شیعہ کے فرقے اسے دلیل تسلیم نہیں کرتے۔

قیاس کے ارکان

قیاس کے چار ارکان ہیں:

۱۔ اصل: یعنی وہ واقعہ، جس کے حکم پر نص (دلیل) موجود ہے، اسے ''مقیس علیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ فرع: یعنی وہ واقعہ، جس پر نص (دلیل) نہیں ہے، اسے ''مقیس'' بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ حکمِ اصل: وہ حکمِ شرعی، جو اصل واقعہ کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے۔

۴۔ علت: علت اصل واقعہ کی اس صفت کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے اصل کو حکم دیا گیا اور جس کی وجہ سے فرع کو بھی وہی حکم دیا جائے گا (۳۳)۔

قیاس کی قسمیں

اصولیینِ نے قیاس کی دو قسمیں کی ہیں؛ البتہ شوافع کے نزدیک یہ تقسیم قوت کے اعتبار

---

(۳۲) لسان العرب، لفظ: قیس: ۵/ ۳۷۹۳

(۳۳) جمع الجوامع، ص: ۸۲، علم أصول الفقہ، ص: ۶۰

سے ہے، جب کہ احناف کے نزدیک تبادرِ ذہنی (ذہن کے جلد منتقل ہونے) کے اعتبار سے ہے:

۱۔ قیاسِ جلی: قوت کے اعتبار سے قیاسِ جلی اس قیاس کو کہتے ہیں، جس سے فارق (فرق کرنے والی چیز) کو کالعدم قرار دینا معلوم ہو، جیسے: آزادی کے سلسلہ میں باندی کو غلام پر قیاس کرنا، یہ اس لئے درست ہے کہ باندی اور غلام کے درمیان مذکر و مؤنث ہونے کے اعتبار سے تو فرق ہے؛ لیکن آزادی کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہے۔

جب کہ تبادرِ ذہنی کے اعتبار سے قیاس جلی اس قیاس کو کہتے ہیں، جس کی طرف ذہن اولِ امر میں منتقل ہو جائے، جیسے: قرآن مجید نے والدین کی کسی بات پر ''اُف'' کہنے سے منع کیا ہے، اس پر قیاس کر کے ''مار'' کی بھی ممانعت ہوگی، مار کی طرف ذہن فی الفور منتقل ہوتا ہے؛ کیوں کہ اف کہنے سے والدین کو تکلیف پہنچے گی؛ اس لئے اف کہنے سے منع کیا گیا ہے، جب کہ مار کی تکلیف اف کہنے سے بھی زیادہ ہے؛ اس لئے اس کی ممانعت تو بدرجۂ اولیٰ ہوگی۔

۲۔ قیاسِ خفی: شوافع کے لحاظ سے قیاسِ خفی اس قیاس کو کہتے ہیں، جس سے فارق (فرق کرنے والی چیز) کو کالعدم قرار دینا قطعی طور پر معلوم نہ ہو؛ البتہ احتمال ہو، جیسے: قتل بالمثقل (ثقیل چیز سے قتل کرنے) کو قتل بالمحدد (دھاردار چیز سے قتل کرنے) پر قیاس کرنا، اس میں قتل کے دونوں طریقوں کے درمیان فرق کرنے والی چیز کو کالعدم تو قرار نہیں دیا گیا ہے؛ البتہ فرق کرنے والی چیز کا احتمال موجود ہے، یہی وجہ ہے کہ احناف نے دونوں کے فرق کو مانا ہے اور قتل بالمثقل کو قتل بالمحدد پر قیاس نہیں کیا۔

جب کہ احناف کے اعتبار سے قیاس خفی وہ قیاس ہے، جس کی طرف ذہن اول امر میں منتقل نہ ہو؛ بل کہ اس میں غور وفکر کرنے کی ضرورت پڑے، جیسے: سود کے تعلق سے گیہوں پر سیب کو قیاس کیا جائے، گیہوں اناج کے قبیل سے ہے، جب کہ سیب فروٹ کے قبیل سے ہے، لہٰذا

اول وہلہ میں ذہن سیب کو گیہوں پر قیاس کرنے کی طرف نہیں جاتا؛ البتہ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ دونوں 'مطعومات' کے قبیل سے ہیں، لہٰذا دونوں کا حکم ایک ہی ہونا چاہئے، اسی کو دوسرے الفاظ میں ''استحسان'' کہتے ہیں (۳۴)۔

(ج) جن میں غیر معمولی اختلاف ہے: یعنی جن کو بہت سارے لوگ دلیل نہیں مانتے، وہ کئی ہیں، جن میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ استحسان
۲۔ مصلحتِ مرسلہ
۳۔ عرف
۴۔ استصحاب
۵۔ شرائع ماقبل
۶۔ قولِ صحابی
۷۔ سدذریعہ

استحسان

استحسان کے معنی ''کسی چیز کو اچھا سمجھنے'' کے آتے ہیں (۳۵)، اصطلاح میں استحسان ''قیاس جلی کے تقاضے کو چھوڑ کر قیاس خفی کے تقاضے کی طرف عدول کرنے'' کو کہتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے تمام حضرات کے نزدیک استحسان حجت ہے۔

استحسان کی قسمیں

استحسان کی درج ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ استحسان بالنص: استحسان بالنص یہ ہے کہ ''کسی مسئلہ میں تقاضائے قیاس سے عدول کرکے کتاب وسنت کے اس حکم پر عمل پیرا ہونا، جو قیاس کے حکم کے مخالف ہو''، جیسے: قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیع سلم جائز نہ ہو؛ کیوں کہ وقتِ عقد مبیع معدوم ہے، جس کی بنا پر بیع درست نہیں

---

(۳۴) فواتح الرحموت: ۲/ ۳۴۷، المصفی فی أصول الفقہ، ص: ۳۸۱

(۳۵) المعجم الوسیط، ص: ۲۰۴

ہوتی؛ لیکن سنت سے اس کی اجازت ثابت ہے، لہٰذا قیاس کو چھوڑ کر نص پر عمل کیا گیا۔

۲۔ استحسان بالاجماع: استحسان بالاجماع یہ ہے کہ ''کسی مسئلہ میں تقاضائے قیاس سے عدول کر کے اجماع سے ثابت شدہ اس حکم پر عمل کرنا، جو قیاس سے ثابت حکم کے مخالف ہو''، جیسے: قیاس کا تقاضہ ہے کہ عقدِ استصناع (آرڈر دے کر بنوانا) جائز نہ ہو؛ کیوں کہ یہ معدوم کی بیع ہے اور معدوم کی بیع درست نہیں ہوتی؛ لیکن اجماع سے اس عقد کا جواز ثابت ہے، لہٰذا قیاس کو چھوڑ کر اجماع پر عمل کیا گیا۔

۳۔ استحسان بالعرف والعادۃ: استحسان بالعرف یہ ہے کہ ''کسی مسئلہ میں تقاضائے قیاس سے عدول کر کے عرف وعادت کے موافق ایسے حکم پر عمل کرنا، جو قیاس کے حکم کے خلاف ہو''، جیسے: کوئی شخص قسم کھا کر کہے: ''خدا کی قسم میں کسی گھر میں داخل نہ ہوں گا''، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قسم میں مسجد میں داخل ہونا بھی شامل ہو؛ کیوں کہ لغوی اعتبار سے وہ بھی گھر ہے؛ لیکن عرف میں اسے گھر نہیں کہا جاتا؛ بل کہ مسجد کہا جاتا ہے، لہٰذا قیاس کو چھوڑ کر عرف پر عمل کیا جائے گا اور ایسے قسم کھانے والے کے مسجد میں داخل ہونے کو قسم توڑنے والا نہیں سمجھا جائے گا۔

۴۔ استحسان بالضرورۃ: یہ ہے کہ ''کسی مسئلہ میں قیاس کے تقاضہ کو چھوڑ کر ''ضرورت'' کے موافق ایسے حکم پر عمل کرنا، جو قیاس کے حکم کے مخالف ہو، جیسے: نکاح ودخول کی شہادت کا جواز، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ شہادتیں غیر معتبر ہوں کہ شہادت کا تعلق مشاہدہ سے ہوتا ہے اور یہاں مشاہدہ ممکن نہیں؛ لیکن ضرورت شہادت کی داعی ہے؛ اس لئے قیاس کو چھوڑ کر ضرورت پر عمل کیا گیا۔

۵۔ استحسان بالقیاس الخفی: یہ ہے کہ ''قیاس ظاہر سے ثابت ہونے والے حکم کو چھوڑ کر قیاس خفی سے ثابت ہونے والے ایسے حکم پر عمل کرنا، جو قیاسِ ظاہر کے حکم کے مخالف ہو''، جیسے:

چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں (سباع الطیر) کا جھوٹا قیاس کے لحاظ سے ناپاک ہے؛ کیوں کہ ان کا گوشت ناپاک ہے، لہٰذا جس طرح ناپاک گوشت والے درندوں (شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ) کا جھوٹا ناپاک ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں (سباع الطیر) کا جھوٹا ناپاک ہوگا، یہ قیاس ظاہر ہے۔

دوسرا قیاس یہ ہے کہ چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں (سباع الطیر) کا جھوٹا پاک ہے؛ کیوں کہ ان کا گوشت اگرچہ ناپاک ہے؛ لیکن ان کے گوشت سے پیدا ہونے والا لعاب پانی تک نہیں پہنچتا، جو پانی کو ناپاک کرنے کا اصل سبب ہے؛ بل کہ یہ پانی چونچ سے پیتے ہیں اور چونچ نجس نہیں ہوتی، جب کہ ناپاک گوشت والے درندے جانوروں کا لعاب پانی تک پہنچ جاتا ہے، لہٰذا چیر پھاڑ کرنے والے پرندوں (سباع الطیر) کے جھوٹے کو چیر پھاڑ کرنے والے درندوں (سباع البہائم) کے جھوٹے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، یہ قیاس خفی کے ذریعہ سے استحسان ہے(۳۶)۔

مصلحتِ مرسلہ

مصلحت کے معنی ''منفعت'' کے ہیں، جب کہ مرسلہ کے معنی ''مطلق'' (یعنی جس کے معتبر ہونے اور نہ ہونے پر کوئی دلیل نہ ہو) کے آتے ہیں، اصطلاح میں مصلحت مرسلہ ''ہر ایسی منفعت کو کہتے ہیں، جو مقاصد شرعیہ خمسہ (حفظِ دین، حفظِ نفس، حفظِ عقل، حفظِ نسل اور حفظِ مال) کے تحت آتی ہو؛ لیکن اس کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر کوئی دلیل موجود نہ ہو''، جس مصلحت کو شریعت نے معتبر قرار دیا ہے، وہ بالاتفاق حجت ہے اور جس کو غیر معتبر قرار دیا ہے، وہ بالاتفاق حجت نہیں، حضرت امام مالکؒ کے یہاں مصلحت مرسلہ مطلق حجت ہے، جب کہ شوافع، حنابلہ اور متکلمین میں سے بعض حضرات کے نزدیک یہ مطلق حجت نہیں؛ البتہ صحیح بات یہ ہے کہ مصلحت مرسلہ چند

---

(۳۶) علم أصول الفقہ، ص: ۷۹، الوجیز فی أصول الفقہ لزیدان، ص: ۱۸۱ و مابعدہا

شرطوں کے ساتھ حجت ہے، وہ شرطیں درج ذیل ہیں:

۱۔ مصلحت مرسلہ ضروریاتِ خمسہ میں سے ہو۔
۲۔ مصلحت کلی اور عام ہو، جس سے تمام مسلمانوں کو فائدہ پہنچے۔
۳۔ یہ مصلحت مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہو۔
۴۔ مصلحت مرسلہ اپنے وجود کے اعتبار سے قطعی ہو۔
۵۔ مصلحتِ مرسلہ قرآن وسنت یا اجماع میں سے کسی نص سے متصادم نہ ہو ------

اگر مذکورہ شرطیں مصلحت کے اندر پائی جارہی ہیں تو یہ مصلحت حجت ہوگی (۳۷)۔

عرف

عرف ’’جانی پہچانی چیز‘‘ کو کہتے ہیں (۳۸)، اصطلاح میں عرف ’’ہراس چیز کو کہتے ہیں، جو ایک ملک کے اکثر لوگوں، اکثر علاقوں اور اکثر طبقوں کے درمیان متعارف ہو‘‘، بہت سارے علماء عرف کو حجت مانتے ہیں؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرف چند شرطوں کے ساتھ حجت ہے، وہ شرطیں درج ذیل ہیں:

۱۔ عرف عام ہو۔
۲۔ عرف اکثری ہو۔
۳۔ معاملہ کے وقت وہ عرف موجود ہو۔
۴۔ عرف ایسا ہو، جس پر لوگ عمل کرنے کو ضروری سمجھتے ہوں۔
۵۔ عرف صریح نص (دلیل شرعی) کے خلاف نہ ہو (۳۹)۔

---

(۳۷) تیسیر الوصول إلی قواعد الأصول ومعاقد الفصول لعبد المؤمن البغدادی (م: ۷۳۹ھ)، ص: ۳۰۱، المستصفی: ۱/۱۳۹، أصول الفقہ الاسلامی للزحیلی: ۲/۷۵۶ ومابعدہا، المہذب فی علم أصول الفقہ: ۲/۱۰۰۹

(۳۸) المعجم الوسیط، ص: ۶۲۵ (۳۹) المہذب فی علم أصول الفقہ المقارن: ۳/۱۰۲۰ ومابعدہا

استصحاب

استصحاب کے معنیٰ ''صحبت اختیار کرنے'' کے آتے ہیں (۴۰)، اصطلاح میں استصحاب ''حالت کی یکسانیت کی وجہ سے سابقہ زمانہ کے کسی حکم کو بعد کے زمانہ میں بھی باقی رکھنے'' کو کہتے ہیں، جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی دلیل ہے؛ البتہ متکلمین، بعض احناف وشوافع اور معتزلہ کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حجت نہیں ہے، تاہم احناف کا مشہور قول یہ ہے کہ اثبات میں یہ حجت نہیں؛ البتہ نفی اور عدم میں حجت ہے (۴۱)۔

شرائع ماقبل

سابقہ شریعتوں کے احکام ہمارے لئے حجت ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تین باتیں ہیں:

۱۔ سابقہ شریعت کا حکم ایسا ہے، جس کے سلسلہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ تمہارے لئے حجت ہے، تو سابقہ شریعت کا ایسا حکم ہمارے لئے حجت ہے، جیسے: روزہ کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم پر اسی طرح فرض کئے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر کئے گئے تھے۔

۲۔ سابقہ شریعت کا حکم ایسا ہے، جس کے بارے صراحت ہے کہ وہ ہمارے لئے حجت نہیں؛ بل کہ اس حکم کو ہمارے لئے منسوخ کردیا گیا ہے، تو ایسا حکم ہمارے لئے حجت نہیں، جیسے: سابقہ شریعت کا حکم یہ تھا کہ اگر نجاست کپڑے میں لگ جائے تو نجاست والی جگہ کو کاٹ کر پھینکنے سے ہی کپڑا پاک ہوگا؛ لیکن اس حکم کو ہم سے اٹھالیا گیا اور ہمیں دھوکر پاک کرنے کا حکم دیا گیا۔

۳۔ سابقہ شریعت کا حکم ہم تک اس اعتبار سے پہنچے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے اور اس کے منسوخ ہونے پر کوئی دلیل بھی نہیں، تو یہ احناف، مالکیہ اور اکثر حنابلہ کے نزدیک حجت ہے،

---

(۴۰) لسان العرب: ۴/۲۴۰۱

(۴۱) کشف الأسرار للبزدوی: ۳/۳۷۷، علم أصول الفقہ، ص: ۹۱

جب کہ شوافع کے نزدیک یہ حجت نہیں، یہی امام احمد بن حنبلؒ کی بھی ایک روایت ہے(۴۲)۔

قولِ صحابی

اس سے مراد ’’صحابہ کرام میں سے کسی صحابیِ رسول ﷺ کا فتویٰ یا فیصلہ یا کسی غیر منصوص علیہ ایسے واقعہ کے سلسلہ میں ان کی رائے، جس پر اجماع منعقد نہ ہوا ہو‘‘، قولِ صحابی کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں درج ذیل صورتیں ہیں:

۱۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابی کی رائے دوسرے صحابی کی رائے سے مختلف ہو تو بالاتفاق حجت نہیں۔

۲۔ اگر کسی مسئلہ میں صحابی نے ایک رائے ظاہر کی، پھر اس رائے سے رجوع کر لیا تو یہ بھی بالاتفاق حجت نہیں۔

۳۔ اگر صحابی کوئی ایسی بات کہے، جو دیگر صحابہ کے درمیان مشہور ہو جائے اور وہ اس قول پر نکیر نہ کریں تو صحابی کا ایسا قول ان حضرات کے نزدیک حجت ہے، جو اجماعِ سکوتی کے قائل ہیں۔

۴۔ اگر صحابی کسی اجتہادی مسئلہ میں کوئی ایسی بات کہے، جس کے سلسلہ میں کسی سابق قول کی تحقیق نہ ہو تو اس کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں درج ذیل مذاہب ہیں:

(الف) قولِ صحابی مطلق حجت ہے، اس کے قائلین میں مالکیہ، حنابلہ، اکثر احناف اور بہت سارے شوافع ہیں، خود امام شافعیؒ کے بعض اقوال سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

(ب) قولِ صحابی مطلق حجت نہیں، اس کے قائلین میں بہت سارے اشاعرہ، معتزلہ، بعض حنفیہ (جیسے: ابوالحسن کرخی) ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ اور بعض شوافع کے مطابق امام شافعیؒ بھی ہیں۔

---

(۴۲) تقویم الأدلۃ فی أصول الفقہ، ص: ۲۵۴، قواطع الأدلۃ: ۲/ ۲۰۹

(ج) صرف خلفائے اربعہ کے اقوال حجت ہیں، بعض علماء اس کے قائل ہیں۔

(د) صحابہ میں صرف حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال حجت ہیں، اس کے بھی بعض قائل ہیں (۴۳)۔

سدذریعہ

'سد' کے معنی ''روکنے'' کے آتے ہیں (۴۴) اور 'ذریعہ' کے معنی ''وسیلہ'' کے ہیں (۴۵)، اصطلاح میں سدذریعہ ''ایسے وسیلہ کو کہتے ہیں، جس کے ذریعہ مفسدہ تک پہنچنے سے رکا جائے''، جمہور علماء کے نزدیک یہ حجت ہے، جب کہ بعض شوافع اور متکلمین کے نزدیک یہ حجت نہیں۔

سدذریعہ کی قسمیں

سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ مفاسد تک پہنچانے والے بعض افعال بذاتِ خود حرام ہوتے ہیں، جیسے: نشہ آور چیزوں کا استعمال اور زنا وغیرہ، یہ افعال تو سرے سے حرام ہیں اور سد ذریعہ کے دائرہ میں یہ نہیں آتے، سدذریعہ کے دائرہ میں وہ افعال آتے ہیں، جو مباح ہیں؛ لیکن مفاسد تک پہنچانے والے ہیں، لہٰذا مباح ہونے کے باوجود ان سے روکا جاتا ہے، ان افعال کی درج ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ جو افعال شاذونادر مفسدہ تک پہنچانے والے ہیں، ایسے افعال میں مصلحت کو راجح اور مفسدہ کو مرجوح قرار دیا جائے گا، جیسے: مخطوبہ (جس لڑکی کو شادی کا پیغام دیا گیا ہے) کو دیکھنا اور انگور کی کھیتی کرنا۔

---

(۴۳) جمع الجوامع، ص: ۱۱۰، اُصول السرخسی: ۲/ ۱۰۵

(۴۴) المصباح المنیر: ۱/ ۱۳۴

(۴۵) المعجم الوسیط، ص: ۴۴۱

۲۔ وہ افعال، جو زیادہ تر مفسدہ تک پہنچانے والے ہیں، ایسے افعال میں مفسدہ کو راجح اور مصلحت کو مرجوح قرار دیا جائے گا، جیسے: فتنہ وفساد کے زمانہ میں ہتھیار کی بیع اور اس شخص کے ہاتھوں انگور بیچنا، جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شراب ہی بناتا ہے۔

۳۔ وہ افعال، جو غیر موضوع لہ مقصد کے لئے کیا جائے، جس کی وجہ سے مفسدہ تک پہنچے، ایسی صورت میں بھی مفسدہ کو راجح قرار دیا جائے گا، جیسے: حلالہ کے ارادہ سے مطلقہ ثلاثہ سے نکاح کرنا(۴۶)۔

۲۔ شناخت وذرائع کے اعتبار سے ----- اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) نقلی، جیسے: کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماع، قولِ صحابی، شرائع ماقبل اور عرف وغیرہ۔

(ب) عقلی: اس سے مراد محض عقلی نہیں؛ بل کہ نقلی دلائل سے عقلی طور پر ماخوذ دلائل ہیں، جیسے: قیاس، مصلحتِ مرسلہ، سد ذریعہ، استحسان اور استصحاب وغیرہ۔

۳۔ قوت کے اعتبار سے ------ اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) قطعی: جس میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہ ہو۔

(ب) ظنی: جس میں تھوڑا احتمال ہو۔

۴۔ کلیت وجزئیت کے اعتبار سے ----- اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ کلی: دلیل کلی وہ عام دلیل ہے، جس کے تحت متعدد جزئیات داخل ہوتے ہوں، جیسے: **الأمر للوجوب** (امر وجوب کے لئے ہوتا ہے)؛ چنانچہ اس دلیل کے تحت وہ تمام جزئیات داخل ہوں گے، جن کا کرنا واجب ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **اَقِیْمُوْا**

---

(۴۶) الوجیز فی أصول الفقہ لزیدان، ص: ۱۹۵

الصَّلَاۃَ (نماز قائم کرو)، زکوٰۃ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: **آتُوا الزَّکوٰۃَ** (زکوٰۃ ادا کرو)، یہ دونوں حکم **الأمر للوجوب** میں شامل ہیں۔

۲ ۔ جزئی: دلیل جزئی وہ دلیل ہے، جو کلی دلیل کے صیغوں کے مطابق آئے، جیسے: اوپر کی مثال میں الأمر للوجوب دلیل کلی ہے اور **أَقِیمُوا الصَّلَاۃَ وآتُوا الزَّکوٰۃَ** میں امر کے صیغے سے حکم دیا گیا ہے، یہ دونوں دلیل جزئی ہیں؛ کیوں کہ ان دونوں سے دو الگ الگ چیزیں (ایک نماز اور دوسرے زکوٰۃ) واجب ہورہی ہیں، جب کہ **الأمر للوجوب** سے ایک حکم واجب ہورہا ہے(۴۷)۔

احکام کے لغوی واصطلاحی تعریف

''حکم'' مصدر ہے **حَکَمَ یَحْکُمُ** کا، جس کے معنی ''فیصلہ کرنے، سمجھنے اور جاننے'' کے آتے ہیں، اِس کی جمع ''أحکام'' آتی ہے(۴۸)۔

اصطلاح میں حکم ''اللہ تعالیٰ کے اُس خطاب کو کہتے ہیں، جو اختیار، اقتضاء یا وضع کے ساتھ مکلفین کے افعال سے متعلق ہو'' (۴۹)۔

''خطاب'' اُس کلام کو کہتے ہیں، جس میں متکلم کا روئے سخن کلام کو سمجھانے کے لئے اپنے مخاطب کی طرف ہوتا ہے، جیسے: **أَقِیمُوا الصَّلَاۃَ** (الأنعام: ۷۲) ''نماز قائم کرو''، اِس میں اللہ تعالیٰ کا روئے سخن اپنے بندوں کی طرف ہے اور یہ سمجھانے کے لئے ہے کہ تم پر نماز کی اقامت

---

(۴۷) علم أصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۳، أصول الفقہ الذی لایسع الفقیہ جہلہ، الباب الثانی: أدلۃ الأحکام الشرعیۃ: ۱/ ٦٦، الموافقات للشاطبی، النظر الأول فی کلیات الأدلۃ علی الجملۃ: ۳/ ۲۲۸، الذخیرۃ للقرافی، الباب العشرون فی جمیع أدلۃ المجتہدین وتصرفات المکلفین: ۱/ ۱۴۱

(۴۸) لسان العرب: ۲/ ۲۷۰، مادۃ: حکم، مختار الصحاح فصل الحاء، باب المیم، ص: ۴۷۰

(۴۹) ارشاد الفحول: ۱/ ۱۷، التقریر والتحبیر: ۱/ ۲۱٦، تلخیص الأصول للزاہدی، الفصل الثالث: الحکم الشرعی، ص: ۲۱، المأمول من لباب الأصول، باب الحکم الشرعی، ص: ۳

ضروری ہے۔

''اختیار'' کہہ کر یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ خطاب ہمیشہ لازمی نہیں ہوتا؛ بل کہ بسا اوقات مخاطَب پر اُس کا کرنا اور نہ کرنا برابر ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے احرام سے باہر آنے والے کو حکم دیا: وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا (المائدة: ۲) ''جب تم حلال ہو جاؤ تو شکار کرو''، یہاں اِصْطَادُوا میں خطاب لازمی نہیں؛ چنانچہ امام طبرانیؒ حضرت مجاہدؒ کا قول نقل کرتے ہیں:

إذا حلّ، فإن شاء صاد، وإن شاء لم يصطد(۵۰).

جب حلال ہو جائے تو اگر شکار کرنا چاہے تو شکار کرے اور اگر شکار کرنا نہ چاہے تو شکار نہ کرے۔

اِسی اختیار کو دوسرے الفاظ میں ''مباح'' بھی کہا جاتا ہے۔

''اقتضاء'' کے معنی 'طلب' اور 'تقاضہ' کے آتے ہیں، یہ تقاضہ کبھی تو کسی کام کے کرنے کا ہوتا ہے اور کبھی کسی کام کے چھوڑنے کا، پھر کام کرنے کے تقاضہ میں کبھی جزم ہوتا ہے اور کبھی عدمِ جزم، اگر جزم کے ساتھ تقاضہ ہو تو یہ 'واجب' کہلاتا ہے اور عدمِ جزم کے ساتھ ہو تو 'مندوب'، اِسی طرح کام چھوڑنے کے تقاضہ میں بھی کبھی جزم ہوتا ہے اور کبھی عدمِ جزم، جزم کی صورت میں 'حرام' کہلاتا ہے اور عدمِ جزم کی صورت میں 'مکروہ'، 'اقتضاء' کی قید کا مقصد مکلف کے اُن افعال سے احتراز ہے، جن میں خطاب تقاضہ اور طلب کے طور پر نہیں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ (الصّٰفّٰت: ۹۶) ''اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو'' اور اِس آیت کے اندر خطاب تو بندوں سے ہے؛ لیکن اِس میں کسی چیز کا تقاضہ نہیں ہے؛ بل کہ اِس میں خبر دی جا رہی ہے۔

---

(۵۰) تفسیر طبری بر تفسیر سورۂ مائدہ، آیت نمبر: ۲، حدیث نمبر: ۱۰۹۸۶

''وضع'' سے اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب مراد ہے، جس میں حکم کو کسی سبب یا شرط یا مانع کے ساتھ جوڑا گیا ہو(۵۱)۔

احکام شرعیہ کی قسمیں

احکام شرعیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ **اعتقادی:** اس سے مراد وہ احکام ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، رسولوں کی رسالت، ان پر نازل ہونے والی کتابوں، آخرت کے دن، قضا وقدر، قبر اور حشر ونشر پر ایمان سے متعلق بحث کی گئی ہو۔

۲۔ **فروعی:** فرعی حکم ''اللہ تعالیٰ کے اُس خطاب کو کہتے ہیں، جو اختیار، اقتضاء یا وضع کے ساتھ مکلفین کے افعال سے متعلق ہو''، اِس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) تکلیفی۔ (ب) وضعی۔

تکلیفی حکم

تکلیفی حکم ''وہ حکم ہے، جس میں کسی کام کے کرنے یا کسی کام سے رکنے کا مطالبہ حتمی یا اختیاری طور پر کیا گیا ہو'' (۵۲)، بالفاظِ دیگر ''شارع کے اُس خطاب کو کہتے ہیں، جس کے اندر واجب (فرض)، حرام، مباح، مکروہ اور مندوب ہونے کی صراحت ہو''، یعنی اُس میں یہ وضاحت ہو کہ فلاں کام واجب ہے، لہٰذا اُس کا کرنا مکلف پر ضروری ہے، یا وہ حرام ہے، اُس سے مکلف کا بچنا لازم ہے، نہ بچنے کی صورت میں سزا دی جائے گی، یا پھر اُس کام کا کرنا جائز، مکروہ یا مندوب

---

(۵۱) أصول الفقہ الاسلامی لوہبۃ الزحیلی: ۱/ ۳۹ - ۴۰، الإحکام فی أصول الأحکام للآمدی، فی حقیقۃ الحکم الشرعی وأقسامہ: ۱/ ۱۳۵-۱۳۷

(۵۲) أصول الفقہ لأبی زھرۃ، ص: ۲۷، علم أصول الفقہ، ص: ۱۰۱

ہے، مکروہ کا نہ کرنا بہتر ہے؛ کیوں کہ وہ شارع کی نگاہ میں ناپسندیدہ ہے، جائز کام کو کرنے میں کوئی حرج نہیں اور مندوب کو بجالانا شارع کی نگاہ میں محبوب ہے۔

حکمِ تکلیفی کی قسمیں

حکمِ تکلیفی کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ واجب ۲۔ مندوب ۳۔ مباح

۴۔ مکروہ ۵۔ حرام

واجب

وَجَبَ یَجِبُ کا اسم فاعل ہے، جس کے لغوی معنیٰ ''لازم اور ثابت ہونے'' کے آتے ہیں (۵۴)۔

اصطلاح میں 'واجب' ''اللہ تعالیٰ کے اُس حکم کو کہتے ہیں، جس میں مکلف سے حتمی اور لازمی طور پر کسی کام کے کرنے کا مطالبہ ہو'' (۵۴)۔

مندوب

یہ نَدَبَ یَنْدُبُ کا اسم مفعول ہے، جو 'الیٰ' صلہ کے ساتھ ''بلانے اور اُبھارنے'' کے معنی میں آتا ہے (۵۵)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ 'رجل ندب' سے مشتق ہے، جس کے معنی 'خفیف' (ہلکے پھلکے) کے آتے ہیں، فقہاء چوں کہ فرض کے علاوہ کو 'مندوب' کہتے ہیں، جو فرض کے مقابلہ میں خفیف

---

(۵۳) تاج العروس، مادۃ: وجب: ۳۳۳ /۴، لسان العرب، مادۃ: وجب، ۴۷۶۶/۵۳

(۵۴) معالم أصول الفقہ عند أہل السنۃ والجماعۃ، ص: ۲۹۶

(۵۵) تاج العروس، مادۃ: ندب: ۲۵۳ /۴، المصباح المنیر للفیومی، کتاب النون: ۱۲۴ /۲

الحال ہوتا ہے، اِس مناسبت سے یہ ’رجل ندب‘‘ سے مشتق ہوا (٥٦)۔

اصطلاح میں ’مندوب‘ ’’اُس حکم کو کہتے ہیں، جس میں شارع نے مکلف سے کسی کام کا مطالبہ غیر لازمی طور پر کیا ہو‘‘ (٥٧)۔

مُباح

یہ اَبَاحَ یُبِیْحُ کا اسمِ مفعول ہے، جس کے معنیٰ ’’ظاہر کرنے، حلال کرنے اور چھوڑ دینے‘‘ کے آتے ہیں اور ’أباح الرجل ماله‘ اُس شخص کے لئے کہا جاتا ہے، جس نے اپنا مال لینے یا نہ لینے کی اجازت دے رکھی ہو (٥٨)۔

اصطلاح میں ’مُباح‘ ’’اللہ تعالیٰ کے اُس خطاب کو کہتے ہیں، جس کے کرنے اور نہ کرنے کا یکساں طور پر اختیار دیا گیا ہو‘‘ (٥٩)۔

مکروہ

یہ کَرِہَ یَکْرَہُ کا اسم مفعول ہے، اس کا مصدر کُرْھاً (کاف کے پیش اور زبر کے ساتھ) آتا ہے، اِس کے معنیٰ ’’مشقت، نفرت، ناپسندیدگی اور عدمِ رضامندی‘‘ کے آتے ہیں (٦٠)۔

اصطلاح میں مکروہ ’’شارع کے اُس خطاب کو کہتے ہیں، جس میں مکلف سے کسی کام کے ترک کا مطالبہ غیر لازمی طور پر ہو‘‘ (٦١)۔

---

(٥٦) مقاییس اللغۃ لأبی الحسین محمد بن فارس، مادۃ: ندب، تحقیق: عبدالسلام محمد ہارون: ۵/ ۴۱۳

(٥٧) علم اصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۱۱، أصول الفقہ للخضری بک، ص: ۵۴

(٥٨) المعجم الوسیط، ص: ۷۵، المصباح المنیر، الباء مع الواو: ۱/ ۳۵

(٥٩) التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج: ۲/ ۱۹۲

(٦٠) المصباح المنیر، باب الکاف مع الراء: ۲/ ۹۱، الصحاح فی اللغۃ، مادۃ: کرہ: ۶/ ۲۲۴۷، المغرب فی ترتیب المعرب، باب الکاف مع الراء المھملۃ: ۲/ ۲۱۷

(٦١) علم اصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۱۴، معالم أصول الفقہ، ص: ۲۹۶

حرام

’حرام‘ ایسے کام کو کہتے ہیں، جن کا کرنا ممنوع ہو (۶۲)۔

اصطلاح میں حرام ’’شارع کے اس خطاب کو کہتے ہیں، جس میں مکلف سے کسی کام کے ترک کا مطالبہ لازمی طور پر ہو‘‘ (۶۳)۔

احناف کے نزدیک حکمِ تکلیفی کی قسمیں

احناف کے نزدیک حکمِ تکلیفی کی سات قسمیں ہیں:

۱۔ فرض
۲۔ واجب
۳۔ مندوب
۴۔ حرام
۵۔ مکروہِ تحریمی
۶۔ مکروہِ تنزیہی
۷۔ مباح

فرض

فرض ایسے حکم کو کہتے ہیں، جو شارع نے مکلف پر ایسی قطعی دلیل سے لازم کیا ہو، جس میں کسی قسم کا شبہ نہ ہو، جیسے: نماز میں قرآن کا پڑھنا کہ یہ آیت **فاقرأوا ما تیسر من القرآن** سے ثابت ہے۔

واجب

واجب ایسے حکم کو کہتے ہیں، جو شارع نے مکلف پر ایسی ظنی دلیل کے ذریعہ سے لازم کیا ہو، جس میں شبہ ہو، جیسے: نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا کہ ’’**لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب**‘‘ یہ خبرِ آحاد سے ثابت ہے؛ اس لئے دلیل ظنی ہے۔

---

(۶۲) المعجم الوسیط، ص: ۱۹۹

(۶۳) التحبیر شرح التحریر: ۳/ ۹۴۶

مندوب

یہ نَدَبَ یَنْدُبُ کا اسم مفعول ہے، جو 'اِلیٰ' صلہ کے ساتھ ''بلانے اور اُبھارنے'' کے معنی میں آتا ہے(۶۴)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ 'رجل ندب' سے مشتق ہے، جس کے معنی 'خفیف' (ہلکے پھلکے) کے آتے ہیں۔ فقہاء چوں کہ فرض کے علاوہ کو 'مندوب' کہتے ہیں، جو فرض کے مقابلہ میں خفیف الحال ہوتا ہے، اِس مناسبت سے یہ 'رجل ندب' سے مشتق ہوا(۶۵)۔

اصطلاح میں 'مندوب' ''اُس حکم کو کہتے ہیں، جس میں شارع نے مکلف سے کسی کام کا مطالبہ غیر لازمی طور پر کیا ہو''(۶۶)۔

مُباح

یہ اَبَاحَ یُبِیْحُ کا اسم مفعول ہے، جس کے معنی ''ظاہر کرنے، حلال کرنے اور چھوڑ دینے'' کے آتے ہیں اور 'أباح الرجل ماله' اُس شخص کے لئے کہا جاتا ہے، جس نے اپنا مال لینے یا نہ لینے کی اجازت دے رکھی ہو(۶۷)۔

اصطلاح میں 'مُباح' ''اللہ تعالیٰ کے اُس خطاب کو کہتے ہیں، جس کے کرنے اور نہ کرنے کا یکساں طور پر اختیار دیا گیا ہو''(۶۸)۔

---

(۶۴) تاج العروس، مادۃ: ندب: ۴/ ۲۵۳، المصباح المنیر للفیومی، کتاب النون: ۲/ ۱۲۴

(۶۵) مقاییس اللغۃ لأبی الحسین محمد بن فارس، مادۃ: ندب، تحقیق: عبدالسلام محمد ہارون: ۵/ ۴۱۳

(۶۶) علم اصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۱۱، أصول الفقہ للخضری بک، ص: ۵۴

(۶۷) المعجم الوسیط، ص: ۷۵، المصباح المنیر، الباء مع الواو: ۱/ ۳۵

(۶۸) التقریر والتحبیر لابن امیر الحاج: ۲/ ۱۹۲

حرام

حرام اس حکم کو کہتے ہیں، جس میں شارع نے مکلف سے دلیل قطعی کے ذریعہ کسی فعل سے رکنے کا حتمی طور پر مطالبہ کیا ہو، جیسے: زنا سے رکنے کا مطالبہ کہ یہ آیت **لا تقربوا الزنا** سے ثابت ہے۔

مکروہِ تحریمی

ایسے حکم کو کہتے ہیں، جس میں شارع نے مکلف سے دلیل ظنی کے ذریعہ سے کسی کام سے رکنے کا مطالبہ حتمی طور پر کیا ہو، جیسے: بیع پر بیع کرنا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول **لا يبيع الرجل على بيع أخيه** (۶۹) حدیث سے ثابت ہے، جو خبر آحاد کے قبیل سے ہے۔

مکروہِ تنزیہی

ایسے حکم کو کہتے ہیں، جس میں شارع نے مکلف سے کسی کام سے رکنے کا مطالبہ غیر حتمی طور پر کیا ہو، جیسے: چیر پھاڑ کرنے والے پرندے کے جھوٹے سے وضو کرنا (۷۰)۔

حکمِ وضعی

حکم وضعی شارع کے ''اُس خطاب کو کہتے ہیں، جس میں حکم کے ثبوت کو کسی دوسری چیز پر معلق کر دیا گیا ہو'' (۷۱)، جیسے قرآن مجید میں ہے: **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا** (المائدۃ: ۳۸) یہاں پر ہاتھ کاٹنے کی سزا کو چوری پر معلق کیا گیا ہے۔

حکمِ وضعی کی قسمیں

حکم وضعی کی پانچ قسمیں ہیں:

---

(۶۹) بخاری، حدیث نمبر: ۱۲۴۰

(۷۰) أصول الفقه للبرديسي، ص: ۵۷ ومابعدها

(۷۱) المأمول من لباب الأصول أبوحسام الدين الطرفاوي، ص: ۳، التوضيح لمتن التنقيح: ۱/ ۲۵

۱- سبب ۲- شرط ۳- مانع

۴- رخصت وعزیمت ۵- صحیح وباطل

سبب

'سبب' کے لغوی معنیٰ 'رسی' کے آتے ہیں، اِس کی جمع 'اسباب' آتی ہے، قرآن مجید میں ہے: فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ (الحج:۱۵) ''تو آسمان کی طرف ایک رسی کھینچ لے''۔

علامہ زبیدیؒ اور علامہ شوکانیؒ نے یہاں 'سبب' کی تفسیر 'حبل' سے کی ہے (۷۲)، پھر ہر اُس چیز کو استعارتاً 'سبب' کہا جانے لگا، جو کسی چیز تک پہنچنے کا ذریعہ بنے (۷۳)، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ (البقرۃ:۱۶۶) ''اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے''۔

اصطلاح میں ''سبب ایسی چیز کو کہتے ہیں، جس کے وجود کی وجہ سے حکم ثابت ہو اور عدم موجودگی میں حکم ثابت نہ ہو''، مثلاً: میراث کے حقدار ہونے کے لئے نسب، ولاء یا پھر زوجیت میں سے کسی سبب کا پایا جانا ضروری ہے، نہ پائے جانے کی صورت میں میراث کا حقدار نہیں ہوسکتا، اسی طرح زوالِ شمس ظہر کی نماز کے لئے سبب ہے؛ چنانچہ اگر زوال نہیں ہوا ہے تو ظہر کی نماز واجب نہیں (۷۴)۔

شرط

شرط (راء پر جزم کے ساتھ) کے لغوی معنیٰ 'علامت' کے آتے ہیں، اس کی جمع شروط اور شرائط آتی ہے، اسی علامت کے معنیٰ میں لفظ شرَط (ر پر زبر کے ساتھ) بھی آتی ہے، جس کی جمع

---

(۷۲) تاج العروس، مادۃ: سأب: ۱/ ۵۷۰ نیز دیکھئے: فتح القدیر: ۵/ ۱۰۱

(۷۳) النہایۃ فی غریب الأثر، باب السین مع الباء: ۲/ ۸۳۰، التعریفات للجرجانی: ۱/ ۳۷

(۷۴) المأمول من لباب الأصول أبوحسام الدین الطرفاوي، ص: ۴

اشراط آتی ہے(۷۵)۔

اصطلاح میں شرط ’’ایسے کلمہ کو کہا جاتا ہے، جس پر حقیقتاً کسی چیز کا وجود معلق ہو‘‘(۷۶)، جیسے: طہارت کہ یہ نماز کے وجود کے لئے شرط ہے، اس کے بغیر نماز کا وجود ہی نہیں، یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ شرط مشروط کی حقیقت سے باہر کی چیز ہوتی ہے، اس کی عدم موجودگی میں مشروط کا بھی وجود نہیں ہوتا؛ البتہ اس کی موجودگی میں مشروط کا وجود ضروری نہیں، جیسے: وقوعِ طلاق کے لئے زوجیت کا پایا جانا شرط ہے، اگر عورت ومرد کے درمیان زوجیت نہ ہو تو طلاق کا وجود ہی نہیں ہوسکتا؛ لیکن زوجیت کے وجود سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر حال میں طلاق کا بھی وجود ہو جائے۔

مانع

یہ مَنَعَ یَمْنَعُ کا اسمِ فاعل ہے، جس کے لغوی معنی ’’حصولِ شئ سے روکنے والے‘‘ یعنی ’’آڑ‘‘ کے آتے ہیں، اس کی جمع منعۃ آتی ہے(۷۷)۔

اصطلاح میں مانع ’’اس چیز کو کہتے ہیں، جو سبب کے پائے جانے کے باوجود حکم کو ثابت ہونے سے روک دے‘‘(۷۸)، جیسے: مورث کو قتل کرنا وراثت کو روکنے والا ہے، اگرچہ کہ وراثت کا سبب ’قرابت‘ پایا جارہا ہے، یعنی اگر بیٹے نے اپنے باپ کو قتل کردیا تو قاتل بیٹے کو باپ کی میراث نہیں ملے گی، باوجود یہ کہ وراثت کا سبب موجود ہے۔

رخصت وعزیمت

’عزیمت‘ کے معنی ’’پختہ ارادہ‘‘ کے ہیں، اس کی جمع ’عزائم‘ آتی ہے(۷۹)، قرآن

---

(۷۵) المصباح المنیر: ۱/ ۱۵۳، الصحاح فی اللغۃ: ۱/ ۳۵۲، مادہ: شرط

(۷۶) اصول السرخسی: ۲/ ۳۰۳، ارشاد الفحول: ۱/ ۶۷

(۷۷) المعجم الوجیز، ص: ۵۹۲

(۷۸) معجم لغۃ الفقہاء: ۱/ ۳۹۷

(۷۹) المصباح المنیر: ۲/ ۲۸

مجید میں ہے:

وَلَقَدۡ عَهِدۡنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبۡلُ فَنَسِيَ وَلَمۡ نَجِدۡ لَهُۥ عَزۡمٗا (طه: ۱۱۵) ’’اور ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک بات کی تاکید کی تھی، پھر ان سے بھول ہوگئی اور ہم نے ان میں عزم نہیں پایا‘‘، (یعنی اس غلطی میں عزم کو دخل نہیں تھا)۔

اصطلاح میں عزیمت ’’ایسے ثابت شدہ حکم کو کہتے ہیں، جو شرعی دلیل کے بالکل موافق ہو‘‘، جیسے: پنج وقتہ نمازیں۔

عزیمت کے مراتب

احناف کے یہاں عزیمت کے چار مراتب ہیں:

۱۔ فرض ۲۔ واجب ۳۔ سنت ۴۔ نفل ــــــ ان تمام کے متعلق کچھ باتیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

رخصت کے لغوی معنیٰ ’’نرمی وآسانی‘‘ کے ہیں، اس کی جمع رُخص آتی ہے(۸۰)۔

اصطلاح میں رخصت ’’مکلف کے کسی عذر کی وجہ سے عزیمت والے معاملہ میں نرمی پیدا کرنے کو کہتے ہیں‘‘ (۸۱)، جیسے: مردار کھانا حرام ہے؛ لیکن اس شخص کے لئے درست ہے، جو اضطرار کی حالت میں ہو۔

احناف کے نزدیک رخصت کی قسمیں

احناف کے یہاں رخصت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ حقیقی رخصت ۲۔ مجازی رخصت

---

(۸۰) المعجم الوسیط، ص: ۳۶۶، المصباح المنیر: ۱/۱۱

(۸۱) کشف الأسرار، باب العزیمۃ والرخصۃ: ۲/۲۹۸

حقیقی رخصت: یہ دو طرح کی ہیں:

(الف) حرمت اور حکم کی بقا کے ساتھ رخصت، اسے کامل رخصت کہا جاتا ہے، جیسے: کسی کو زبان سے کفریہ کلمہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے تو اس کے لئے ایسا کرنے کی اجازت ہے؛ البتہ کلمۂ کفر کی حرمت اب بھی باقی ہے۔

(ب) حکم کو واجب کرنے والے سببِ متاخر کی بقا کے ساتھ رخصت، جیسے: مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت

مجازی رخصت: یہ بھی دو طرح کی ہیں:

(الف) امتِ محمدیہ سے اٹھائے جانے والے سابقہ امتوں کے احکام، جسے قرآن نے ''اصر'' اور ''اغلال'' سے تعبیر کیا ہے، یہ حقیقت کے اعتبار سے ساقط ہو چکے ہیں؛ لیکن مجازاً انھیں بھی رخصت کہا جاتا ہے۔

(ب) بعض وہ امور، جن کی اجازت امتِ محمدیہ کو عقلی اعتبار سے درست نہ ہونے کے باوجود دی گئی ہے، جیسے: بیع سلم کہ عقلاً اسے درست نہ ہونا چاہئے؛ لیکن آسانی کے پیش نظر امتِ محمدیہ کو رخصت دی گئی ہے، نیز وہ امور، جن کی اجازت اضطرار کی حالت میں دی گئی ہے، جیسے: مردار کھانے کی اجازت، حقیقت کے اعتبار سے ان دونوں صورتوں میں رخصت نہیں؛ بل کہ سقوط ہے(۸۲)۔

صحیح وباطل (درست ونادرست)

'صحت' کے لغوی معنیٰ ''تمام عیوب سے پاک اور بیماری کے ختم ہونے'' (۸۳) کے ہیں۔

---

(۸۲) اصول البزدوی، ص: ۱۳۹

(۸۳) تھذیب اللغۃ، مادۃ: صح: ۱/۴۲۶، مختار الصحاح، باب الحاء، فصل الصاد، ص: ۸۴

اصطلاح میں 'صحت'''احکام شرعیہ پر طاری ہونے والی ایسی صفت کو کہتے ہیں، جس کی موجودگی میں مکلف کے کسی فعل کو شریعت کے موافق قرار دیا جا سکے''، جیسے: نماز، اگر اس کے ارکان اور شرائط کے ساتھ ادا کی جائے تو صحیح اور ارکان و شرائط نہ پائے جائیں تو باطل ہوگی۔

'بطلان' کے لغوی معنی ''نقصان وضیاع'' اور ''حکم کے ساقط ہونے'' کے ہیں(۸۴)۔

'بطلان' کی اصطلاحی تعریف عبادت و معاملات کے اعتبار سے مختلف ہے؛ چنانچہ عبادت میں بطلان کا مطلب ''عبادت کا غیر معتبر ہونا'' ہے؛ گویا کہ عبادت کا وجود ہی نہیں ہوا، جیسے: کسی نے بغیر وضو کے نماز ادا کی، تو باوجود نماز کے افعال صادر ہونے کے شریعت کی نگاہ میں وہ نامعتبر ہے اور بغیر وضو کے ادا کی ہوئی نماز کو دوبارہ ادا کرنا ضروری ہے۔

معاملات میں 'بطلان' سے مراد ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک یہ ہے کہ ''معاملہ اصل، یا وصف، یا دونوں کے اعتبار سے غیر مشروع ہو''۔

جب کہ احناف کے نزدیک 'بطلان' سے مراد یہ ہے کہ ''معاملہ نہ تو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور نا ہی وصف کے اعتبار سے''، جیسے: مردار کی بیع کہ یہ سرے سے مال ہی نہیں ہے اور جو چیز مال ہی نہ ہو، اس کی بیع کیسے درست ہو سکتی ہے(۸۵)؟

طرقِ استنباط

قرآن مجید کا نزول عربی زبان میں ہوا ہے اور احادیثِ مبارکہ بھی اسی زبان میں ہیں، اور ان دونوں کو اس وقت تک سمجھا نہیں جا سکتا، جب تک کہ عربی زبان کے مفردات و مرکبات کے معانی کا علم، اس کے مختلف اسالیب سے واقفیت، متکلم کی مراد پر اس کی دلالت کی کیفیت سے

---

(۸۴) المعجم الوسیط، ص: ۹۱

(۸۵) کشف الأسرار: ۱/ ۲۵۸، منہاج الوصول إلی علم الأصول، ص: ۲۰، علم أصول الفقہ، ص: ۱۲۸

آگاہی اور ان کے استعمالات کی جان کاری نہ ہو، انہی چیزوں کو جاننے کے لئے اصولیین نے کچھ قواعد مرتب کئے ہیں، جن کی روشنی میں قرآن وحدیث کے مطالب اور مطالبہ کو سمجھا جا سکتا ہے، ان اصولوں کو جاننے اور ان کے مطابق مسائل کے استنباط کرنے کو 'طرق استنباط' اور 'اصولی قواعد' کہا جاتا ہے، یہ قواعد چار قسموں پر منقسم ہوتے ہیں:

۱۔ لغوی قواعد ۲۔ مقاصد شریعت

۳۔ ناسخ ومنسوخ ۴۔ اور تعارض وترجیح

لغوی قواعد

لغوی قواعد سے مراد وہ قواعد ہیں، جن کا تعلق قرآن وحدیث کے الفاظ سے ہیں؛ چنانچہ ان کو درج ذیل قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ معنوی وضع کے اعتبار سے۔

۲۔ معنوی استعمال کے اعتبار سے۔

۳۔ معنی کے ظاہر اور پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے۔

۴۔ دلالت کے اعتبار سے۔

۱۔ معنوی وضع کے اعتبار سے: یعنی لفظ کو کس معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے؟ کسی چیز کے عموم یا خصوص کو بتلانے کے لئے؟ یا لفظ کے ذریعہ سے ایک ہی معنی مراد ہیں یا ایک سے زائد؟ اس لحاظ سے اس کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ خاص ۲۔ عام ۳۔ مشترک ۴۔ مؤول

خاص

خاص ''ہر ایسے لفظ کو کہتے ہیں، جس کو انفرادی طور پر معلوم ذات یا انفرادی طور پر کسی

ایک معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو" (۸۶)، معلوم ذات کی مثال، جیسے: زید، یہ ایک متعین شخص کا نام ہے، دوسرا مراد نہیں ہوسکتا، اسی طرح رجل، کہ اس سے معلوم نوع کا پتہ چل رہا ہے، دوسری نوع، جیسے: **امرأة** مراد نہیں ہوسکتی، اسی طرح انسان، کہ اس سے جنس انسانی کا پتہ چل رہا ہے، دوسری جنس، جیسے: جانور مراد نہیں ہوسکتی۔ ایک معنی کی مثال، جیسے: ثلاثة قروء کہ اس میں ثلاثۃ سے تین ہی مراد ہوں گے، دو یا اس سے کم زائد مراد نہیں ہوسکتے۔

خاص کی قسمیں

لفظِ خاص کو دو اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ صفت کی تعین اور عدمِ تعین کے اعتبار سے: یعنی لفظ کو کسی صفت (جس میں صفت، شرط اور استثناء سب داخل ہیں) کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے یا بغیر کسی صفت کے، اس اعتبار سے خاص کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مطلق: وہ لفظ ہے، جو بغیر کسی لفظی قید کے غیر متعین فرد یا افراد پر دلالت کرے، جیسے: رجل ورجال، ان کے ساتھ کسی صفت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے؛ اس لئے کوئی بھی رجل اور رجال سے کام چل جائے گا، قسم کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: أو تحریر رقبة (المائدة:۸۹) "یا ایک غلام کا آزاد کرنا"، یہاں رقبۃ کے ساتھ کسی صفت (مسلم یا کافر) کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، لہٰذا غلام مسلمان ہو یا کافر کوئی سا بھی ہو، قسم کا کفارہ ہوجائے گا۔

(ب) مقید: وہ لفظ ہے، جو کسی لفظی قید کے ساتھ غیر متعین فرد یا افراد پر دلالت کرے، جیسے: **رجل هندی**، اس میں دنیا جہان کے کسی آدمی کی بات نہیں کی جارہی ہے: بل کہ ہندوستانی آدمی کی بات کی جارہی ہے، قتلِ خطاء کے کفارہ میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: **فتحریر**

---

(۸۶) کشف الأسرار، تعریف الخاص: ۱/ ۳۰

رقبة مؤمنة (النساء: ۹۲) ''مؤمن غلام کا آزاد کرنا''، ظاہر ہے کہ یہاں کسی (مسلم یا کافر) غلام کے آزاد کرنے سے کام نہیں چلے گا؛ بل کہ مسلمان غلام ہی سے کفارہ کی ادائے گی ہوگی (۸۷)۔

۲۔ مطالبہ کے اعتبار سے: یعنی لفظ کے ذریعہ سے کسی چیز کی انجام دہی کا مطالبہ حتمی طور پر ہے یا کسی چیز سے روکا جارہا ہے، اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(الف) امر: اگر لفظ کا صیغہ ایسا ہو، جس میں کسی شئ کا مطالبہ حتمی طور پر ہو تو اسے 'امر' کہتے ہیں، جیسے: وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ (البقرۃ: ۴۳)، اس آیت میں تین چیزوں کا مطالبہ حتمی طور پر کیا گیا ہے، ایک نماز قائم کرنے کا، دوسرے زکات ادا کرنے کا اور تیسرے رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرنے کا، اسی طرح ایک دوسری آیت ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (البقرۃ: ۱۸۵)، اس آیت میں روزہ رکھنے کا مطالبہ بھی حتمی طور پر کیا گیا ہے۔

(ب) نہی: اگر لفظ کا صیغہ ایسا ہو، جس میں کسی شئ سے رکنے کا مطالبہ حتمی طور پر کیا جارہا ہو تو اسے 'نہی' کہتے ہیں، جیسے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (الاسراء: ۳۲)، اس آیت میں زنا سے رکنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے، حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ (المائدۃ: ۳)، اس آیت میں مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے سے رکنے کا مطالبہ کیا جارہا ہے (۸۸)۔

عام

عام ''ایسا لفظ ہے، جو لفظی یا معنوی اعتبار سے جمیع افراد کو شامل ہو''، لفظی کی مثال، جیسے: مسلمون اور مشرکون کہ ان میں تمام مسلمان اور تمام مشرکین شامل ہیں، معنوی کی مثال، جیسے: من

---

(۸۷) فواتح الرحموت: ۱/ ۳۶۰

(۸۸) اُصول الفقہ لأبی زہرۃ، ص: ۱۶۷ و ۱۸۱

(کون، عاقل کے لئے) اور **ما** (کون، غیر عاقل کے لئے) یا **قوم** (قبیلہ) اور **رھط** (دس سے کم لوگوں کی جماعت) وغیرہ (۸۹)۔

عام کی قسمیں

مختلف اعتبار سے عام کی درج ذیل قسمیں ہیں:

۱۔ تخصیص اور عدم تخصیص کے اعتبار سے، اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایسا عام، جس سے کسی چیز کو خاص نہ کیا گیا ہو، ایسا عام خاص ہی کے درجہ میں ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ** (مزمل: ۲۰)، اس آیت میں ''**ما**'' عام ہے، جس سے کسی کا استثناء نہیں کیا گیا ہے۔

(ب) ایسا عام، جس سے بعض کو خاص کیا گیا ہو، جیسے: **أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا** (البقرۃ: ۲۷۵)، اس میں بیع کو خاص کیا ہے؛ کیوں کہ ربوا کے معنی زیادتی کے ہوتے ہیں اور جس طرح ربوا (سود) میں زیادتی پائی جاتی ہے، اسی طرح بیع میں بھی زیادتی پائی جاتی ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے سود کے ذریعہ سے زیادتی کو حرام قرار دیا، جب کہ بیع کے ذریعہ سے زیادتی کو درست قرار دیا (۹۰)۔

۲۔ مراد کے اعتبار سے: مراد لینے کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) ایسا عام، جس سے عموم مراد ہو، جیسے: **وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا** (ہود: ٦)، لفظِ ''**دابة**'' ایک عام لفظ ہے، اس میں سارے جانور شامل ہیں۔

(ب) ایسا عام، جس سے خاص مراد ہو، اسے 'مجاز' بھی کہا جاتا ہے، جیسے: **الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا** (آل عمران:

---

(۸۹) اُصول الشاشی، ص: ۱۴

(۹۰) اُصول الشاشی، ص: ۱۷

۱۷۳)، اس آیت میں ”الناس“ اگرچہ کہ لفظ عام ہے؛ لیکن اس سے خاص لوگ (کفار مشرکین ابوسفیان اوران کے ساتھی) مراد ہیں (۹۱)۔

۳ - لفظ اور معنی کے اعتبار سے: اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) لفظی: لفظی سے مراد ایسا عام ہے، جس کے عموم پر خود لفظ دلالت کرے، جیسے: يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى (الحجرات: ۱۳) ”اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا“، یہاں پر **الناس** کا لفظ خود عموم پر دلالت کر رہا ہے۔

(ب) معنوی: معنوی سے مراد ایسا عام ہے، جس میں لفظ تو خصوص پر دلالت کرے؛ لیکن معنی کے اعتبار سے مراد عام ہو، جیسے: **المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده**(۹۲)، اس میں **المسلمون** لفظی اعتبار سے مذکر پر دلالت کر رہا ہے؛ لیکن معنوی اعتبار سے عورتیں بھی داخل ہیں (۹۳)۔

۴ - مفہوم کے اعتبار سے: مفہوم کے اعتبار سے عام کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مفہوم موافق: لفظ کی ایسی دلالت کو کہتے ہیں، جس میں مذکور لفظ کے حکم کے ذریعہ سے غیر مذکور حکم بھی خود بخود سمجھ میں آجائے، جیسے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ (الاسراء: ۲۳)، اس آیت کے اندر ’اف‘ کہنے کی حرمت کا حکم مذکور ہے؛ لیکن ’مار پیٹ‘ کی حرمت مذکور نہیں ہے؛ البتہ اس مذکور حکم سے مار پیٹ کی حرمت خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔

(ب) مفہوم مخالف: لفظ کی ایسی دلالت کو کہتے ہیں، جس میں مذکور حکم کے مخالف حکم کو مراد لیا جائے، جیسے: **إذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث**(۹۴)، اس حدیث میں بات یہ کی جارہی

---

(۹۱) اُصول الفقہ الاسلامی للزحیلی: ۱/ ۲۸۲

(۹۲) صحیح البخاری، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ، حدیث نمبر: ۹

(۹۳) اُصول الفقہ الذی لایسع الفقیہ جہلہ، ص: ۲۹۱ ومابعدہا

(۹۴) سنن الترمذی، باب ماجاء الماء لاینجسہ شيء، حدیث نمبر: ۶۷

ہے کہ ''جب پانی دو قلے ہو جائیں تو نجاست اثر انداز نہیں ہوتی''؛ لیکن اس حدیث کی مراد مفہوم مخالف ہے، یعنی ''اگر پانی دو قلے سے کم ہو تو نجاست کے گرنے سے نجس ہو جائے گا'' (٩٥)۔

مشترک

'مشترک' ایسا لفظ ہے، جو دو یا اس سے زائد مختلف الحقائق معنی پر دلالت کرے، جیسے: لفظِ ''**قرء**'' ہے کہ اس کے معنی حیض اور طہر دونوں کے آتے ہیں، اسی طرح لفظِ ''**عین**'' ہے کہ اس کے معنی 'آنکھ، پانی کا چشمہ، جاسوس اور سامان' کے آتے ہیں (٩٦)۔

مشترک کا استعمال

جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ لفظ مشترک کا استعمال ایک ساتھ کئی معانی کے لئے ہوسکتا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الأحزاب:٥٦)، اس آیت میں لفظِ 'صلاۃ' کا استعمال ہوا ہے، جس کے کئی معانی آتے ہیں:

١۔ اگر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی ''رحمت'' کے آتے ہیں۔

٢۔ اگر اس کی نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو اس کے معنی ''استغفار'' کے آتے ہیں۔

٣۔ اگر اس کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو اس کے معنی ''دعاء'' کے آتے ہیں ______

جمہور کہتے ہیں کہ لفظِ 'صلاۃ' ان تینوں معانی کے لئے مستعمل ہے۔

احناف اس بات کے قائل ہیں کہ لفظِ مشترک کو ایک وقت میں ایک سے زائد معانی کے لئے نہ حقیقتاً استعمال کرنا درست ہے اور نا ہی مجازاً، حقیقتاً تو اس لئے کہ واضع نے لفظ کو کسی ایک

---

(٩٥) المهذب في أصول الفقه المقارن: ١٧٤٣/٣ و١٧٦٥، جمع الجوامع، ص: ٢٢

(٩٦) أصول الشاشي، ص: ٢٨

معنی کے لئے ہی وضع کیا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ موضوع لہ معنی کو کامل طور پر مراد لیا جائے، ظاہر ہے کے ایک سے زائد معانی کے لئے استعمال کی صورت میں ایسا ممکن نہیں؛ بل کہ دونوں معانی ایک دوسرے کے منافی ہوں گے؛ اس لئے ایک سے زائد معانی مراد لینا حقیقتاً درست نہیں۔

جہاں تک مجازاً ایک سے زائد معانی مراد لینے کا تعلق ہے تو وہ اس لئے درست نہیں کہ ایک ہی لفظ کے معنی میں حقیقت اور مجاز کے درمیان جمع کرنا لازم ہوگا اور یہ درست نہیں (۹۷)۔

مؤول

'مؤول' ایسے مختلف المعنی لفظ کو کہتے ہیں، جس کے کسی ایک معنی کو غالب رائے کی بنیاد پر ترجیح دیدی گئی ہو، جیسے: لفظِ ''**قرء**'' ہے کہ احناف کے نزدیک غالب رائے کی بنیاد پر 'حیض' کے معنی کو ترجیح دی گئی ہے، جب کہ شوافع کے یہاں 'طہر' کے معنی کو ترجیح دی گئی ہے (۹۸)۔

۲ - **معنوی استعمال کے اعتبار سے:** معنوی استعمال کے اعتبار سے لفظ کی چار قسمیں ہیں:

(الف) **حقیقت:** حقیقت ایسے لفظ کو کہتے ہیں، جو لغوی، شرعی یا عرفی لحاظ سے موضوع لہ معنی کے لئے مستعمل ہوا ہو، جیسے: ''**أسد**'' شیر کے لئے، ''**صلاة**'' مخصوص عبادت نماز کے لئے اور ''**دابة**'' چوپائے کے لئے مستعمل ہیں۔

(ب) **مجاز:** مجاز ایسے لفظ کو کہتے ہیں، جو کسی تعلق اور قرینے کی وجہ سے غیر موضوع لہ معنی کے لئے مستعمل ہو، جیسے: کسی آدمی کو بہادر ہونے کی وجہ سے '**أسد**' (شیر) کہا جائے، ظاہر

---

(۹۷) المذہب إلی أصول المذہب: ۱/ ۶۶

(۹۸) أصول السرخسی: ۱/ ۱۲۷، أصول الشاشی، ص: ۳۰

ہے کہ لفظ اسد آدمی کے لئے نہیں؛ بل کہ شیر کے لئے وضع کیا گیا ہے؛ لیکن یہاں بہادری میں اشتراک کی وجہ سے اسے بھی اسد کہا گیا، جو اس کے لئے غیر موضوع لہ ہے(۹۹)۔

(ج) صریح: صریح وہ لفظ ہے، جس کی مراد کثرتِ استعمال کی وجہ سے بالکل واضح ہو، جیسے: **أنت طالق** کا لفظ نکاح کو ختم کرنے کے لئے صریح ہے، اسی طرح **واسئل القرية** کی مراد اہل قریہ سے پوچھنے کے سلسلہ میں واضح ہے۔

(د) کنایہ: وہ لفظ ہے، جس کی مراد اس طرح غیر واضح ہو کہ بغیر قرینہ کے سمجھ میں نہ آئے، جیسے: **الحقی بأهلك** اور **اعتدی** کے الفاظ کہ طلاق سے کنایہ ہیں اور بغیر قرینہ کے سمجھ میں نہ آنے والے ہیں(۱۰۰)۔

۳۔ معنی کے ظاہر اور پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے: معنی کے ظاہر ہونے کے اعتبار سے لفظ کی چار قسمیں ہیں:

(الف) ظاہر: ظاہر سے مراد ایسا لفظ ہے، جس کی مراد اس طرح ظاہر ہو کہ سننے والا بغیر کسی توقف اور بغیر کسی خارجی مدد کے سمجھ لے، جیسے: **أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا** (البقرۃ: ۲۷۵)، اس میں **أحل** اور **حرم** کے معانی اس طرح ظاہر ہیں کہ معنی کے سمجھنے کے لئے توقف کی ضرورت نہیں۔

(ب) نص: نص سے مراد ایسا لفظ ہے، جو متکلم کی جانب سے کسی لفظی قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس معنی پر صراحتاً دلالت کرے، جس کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے، جیسے: **أَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا** میں لفظ '**أحل**' اور '**حرم**' کو بیع اور سود کے درمیان فرق کو بتانے کے لئے

---

(۹۹) فواتح الرحموت: ۱/ ۱۶۷

(۱۰۰) المذهب إلی أصول المذهب: ۱/ ۱۱۶

لا یا گیا ہے اور یہ دونوں الفاظ اس فرق پر صراحتاً دلالت کر رہے ہیں۔

(ج) **مُفسَّر**: مفسر ایسا لفظ ہے، جو معنی پر دلالت کے اعتبار سے نص سے زیادہ اس طرح واضح ہو، جس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص کی گنجائش نہ ہو، جیسے: **فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ** (ص:۷۲)، اس میں 'ملائکۃ' کے لفظ سے تخصیص کے احتمال کے ساتھ عموم کے معنی ظاہر ہیں؛ لیکن اس احتمال کو 'کلھم' کے ذریعہ سے ختم کر دیا گیا ہے، تاہم اب بھی اس بات کا احتمال باقی ہے کہ 'سجدہ ایک ساتھ کیا گیا یا علاحدہ علاحدہ، **أجمعون** کے ذریعہ سے اس احتمال کو بھی دور کر دیا گیا۔

(د) **مُحکم**: ایسا لفظ ہے، جو بذاتِ خود واضح انداز میں اپنے معنی پر اس طرح دلالت کرے، جس میں نہ تو کسی تاویل کی گنجائش ہو اور نا ہی نسخ کی، جیسے: **إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا** (یونس: ۴۴)، اس آیت میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ 'اللہ تعالیٰ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا'، یہ ہر اعتبار سے واضح ہے، اس میں کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نا ہی نسخ کی (۱۰۱)۔

معنی کے پوشیدہ ہونے کے اعتبار سے لفظ کی چار قسمیں ہیں:

(الف) **خفی**: خفی سے مراد ایسا لفظ ہے، جس کے معنی لغت (وضع) اور صیغہ کے اعتبار سے تو ظاہر ہو؛ لیکن اس کے ہم مثل افراد پر منطبق کرنے کے لحاظ سے پوشیدگی پائی جاتی ہو، جیسے: حدیث میں ہے: **القاتل لا یرث** (۱۰۲) ''قاتل وارث نہیں ہوگا''، اس میں لفظِ قتل عام ہے، جو عمد اور خطا دونوں کو شامل ہے، قتلِ عمد پر تو دلالت ظاہر ہے؛ لیکن خطا پر اس کی دلالت اس اعتبار سے پوشیدہ ہے کہ میراث سے محرومی ایک سزا ہے اور سزا میں عموماً عمد اور غیر عمد کے درمیان فرق ہوتا ہے، لہٰذا خطا میں بھی میراث سے محرومی ہوگی یا نہیں، اس لحاظ سے یہ لفظ ''قتلِ خطا میں میراث

---

(۱۰۱) أصول السرخسی، باب أسماء صیغۃ الخطاب: ۱/ ۱۶۳

(۱۰۲) سنن الترمذی، باب ما جاء في إبطال میراث القاتل، حدیث نمبر: ۲۱۰۹

سے محرومی‘‘ کے سلسلہ میں ’’خفی‘‘ ہوگا۔

(ب) مشکل: مشکل سے مراد ایسا لفظ ہے، جو متعدد معنی کا احتمال رکھتا ہو؛ لیکن مراد کوئی ایک ہی معنی ہو، اب اتنے سارے معانی کے درمیان مرادی معنی کا انتخاب مشکل ہوجائے، جیسے: **نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ** (البقرۃ: ۲۲۳)، اس آیت میں لفظِ ’’**أنّى**‘‘ استعمال ہوا ہے، جس کے ایک معنی تو ’’**کیف**‘‘ (کیسے) کے ہیں، جب کہ دوسرے معنی ’’**من أین ؟**‘‘ (کہاں سے) کے ہیں، اب کون سا معنی لیا جائے؟ اس میں مشکل درپیش ہے، انہی جیسے کلمات کو مشکل کہا جاتا ہے۔

(ج) مجمل: ایسے لفظ کو کہتے ہیں، جس کی مراد متکلم کی طرف سے وضاحت کے بغیر سمجھ میں نہ آئے، جیسے: **حرَّم الربوا**، یہاں لفظِ ’’ربوا‘‘ کا استعمال کیا گیا ہے اور ربوا کے معنی ’زیادتی‘ کے آتے ہیں، ظاہر ہے کہ مطلق زیادتی حرام نہیں ہے، لہٰذا یہاں کون سی زیادتی مراد ہے؟ اس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے۔

(د) متشابہ: متشابہ سے مراد ایسا لفظ ہے، جس کی مراد اس طرح پوشیدہ ہو کہ نہ تو صیغہ ہی اس کے معنی پر دلالت کرے اور نہ ہی اس کا ادراک ممکن ہو، جیسے: **إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ** (الأعراف: ۵۴)، **استواء علی العرش** سے کیا مراد ہے؟ معلوم نہیں، اسی طرح حروف مقطعات کہ اس کے معنی کا ادراک بھی ممکن نہیں (۱۰۳)۔

۴ - دلالت کے اعتبار سے: معنی پر دلالت کرنے کے اعتبار سے لفظ کی درج ذیل قسمیں ہیں:

---

(۱۰۳) أصول السرخسي، باب أسماء صیغة الخطاب: ۱/ ۱۶۷

(الف) **عبارت النص:** اس سے مراد لفظ کی ایسی دلالت، جو نفس صیغہ سے سمجھ میں آجائے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایسی دلالت، جس کے لئے اس لفظ کو لایا گیا ہو اور مقصود بھی وہی ہو، جیسے: وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ (الأنعام:١٥١)، اس میں نفس الفاظ سے ناحق کسی کو قتل کرنے کی ممانعت کی بات معلوم ہو رہی ہے۔

(ب) **اشارت النص:** اس سے مراد لفظ کی دلالت ایسے معنی پر، جس کے لئے اصلاً کلام کو نہیں لایا گیا، جیسے: وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (البقرۃ:٢٣٣)، اس آیت سے اصلاً جو چیز ثابت ہو رہی ہے، وہ یہ کہ بیوی کا نان ونفقہ شوہر پر واجب ہے، یہی بتانے کے لئے اس کلام کو لایا بھی گیا ہے؛ لیکن اسی آیت سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اولاد کا نسب باپ سے ثابت ہوتا ہے، نہ کہ ماں سے؛ کیوں کہ اس میں بچوں کی نسبت باپ کی طرف کی گئی ہے۔

(ج) **دلالت النص:** اس سے مراد ایسی دلالت ہے، جو کلام کے مفہوم کو بتائے، جیسے: فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ (الاسراء:٢٣)، اس آیت میں 'اف' کہنے سے منع کیا گیا ہے؛ لیکن کلام کا مفہوم بغیر غور وفکر کے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ وہ تمام چیزیں بھی منع ہیں، جو ان کو تکلیف پہنچانے والی ہیں، مثلاً: مار پیٹ اور گالی گلوج وغیرہ ----- اسی دلالت النص کو بعض حضرات ''دلالۃ الدلالۃ''، ''فحوی الخطاب'' اور شوافع حضرات ''مفہوم موافق'' بھی کہتے ہیں۔

(د) **اقتضاء النص:** اس سے مراد اس غیر مذکور چیز پر لفظ کی دلالت ہے، جس پر کلام کا سمجھنا موقوف ہو، جیسے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (النساء:٢٣)، اس میں جس چیز کو حرام کیا گیا ہے، وہ ''نکاح'' ہے، جو کلام میں مذکور نہیں؛ لیکن اس کے بغیر کلام کو سمجھا بھی نہیں جاسکتا ہے (١٠٤)۔

(ھ) **مفہومِ مخالفت:** اس سے مراد غیر مذکور شیٔ کے لئے مذکور شیٔ کی ضد کو ثابت

---

(١٠٤) أصول الشاشی، فصل فی متعلقات النصوص، ص:٨٠ وما بعدہا

کرنا ہے، جیسے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: **فی سائمة الغنم كذا**(١٠٥)، اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا کہ جو غیر سائمہ (علوفہ) ہیں، ان میں زکوۃ نہیں ہے----- جمہور کے نزدیک مفہوم مخالف کا اعتبار ہے، جب کہ احناف کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں (١٠٦)۔

مقاصدِ شریعت

مقاصد جمع ہے مَقْصَد کی، جس کے معنی ایسی چیز کے ہیں، جس کا قصد وارادہ کیا جائے، اصطلاح میں 'مقاصدِ شریعت' ایسی مصلحتوں کے جاننے کو کہتے ہیں، جن کی شریعت نے بندوں کو نفع پہنچانے یا نقصان سے بچانے کی خاطر دنیوی یا اخروی اعتبار سے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں رعایت کی ہے (١٠٧)۔

مقاصد شرعیہ کا جاننا بہت ضروری ہے؛ کیوں کہ یہ وہ اسرار شریعت ہیں، جن کی رعایت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر حکم میں کی ہے اور جن کے جانے بغیر نصوص کو نہ تو صحیح طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور نا ہی نصوص سے صحیح استنباط کیا جا سکتا ہے، ان مصالح کو کئی اعتبار سے تقسیم کیا گیا ہے، جن میں سے اہم یہ ہیں:

۱- ثبوت کے اعتبار سے: ثبوت کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) قطعی: اس سے مراد وہ مقاصد ہیں، جو دلائل شرعیہ اور اس کے استعمال میں کامل جستجو سے ثابت ہو اور جس کو تسلسل کے ساتھ ایک بڑی جماعت نے ثابت مانا ہو، جیسے: عزت وآبرو اور اموال کی حفاظت، اسی طرح یسر وسہولت وغیرہ۔

(ب) ظنی: اس سے مراد وہ مقاصد ہیں، جو شرعی تصرفات میں معمولی تلاش وجستجو سے

---

(١٠٥) معرفة السنن والآثار للبیهقی، باب مایسقط الصدقة عن الماشیة، حدیث نمبر: ٨٠٨٧

(١٠٦) البحر المحیط، مباحث المفهوم: ٣/٦٩، شرح اللمعة للشیرازی، فصل فی دلیل الخطاب، ص: ٤٢٨

(١٠٧) علم المقاصد الشریعة للخادمی: ١/١٦

ثابت ہو، جیسے: 'سدّ ذریعہ' کے مقصد کے پیش نظر ان تمام چیزوں کی ممانعت، جو عقل کے اندر فساد پیدا کرنے والی ہیں (١٠٨)۔

٢۔ ذات اور قوت کے اعتبار سے: اس کی تین قسمیں ہیں:

(الف) ضروری: اس سے مراد وہ مقاصد ہیں، جو دنیا وآخرت کی مصلحتوں کی انجام دہی کے لئے اس حد تک ضروری ہیں کہ ان کے فوت ہونے سے دنیا یا آخرت کی کوئی مصلحت درستگی پر قائم نہ رہ سکے، اس کی پانچ قسمیں ہیں:

١۔ حفظِ دین ٢۔ حفظِ نفس ٣۔ حفظِ عقل

٤۔ حفظِ نسل ٥۔ حفظِ مال

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں: تمام ادیان کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کا وجود ان ضروریاتِ خمسہ کی حفاظت کے لئے ہی ہوئی ہے (١٠٩)۔

(ب) حاجی: یہ وہ مقاصد ہیں، جن کی ضرورت حرج ومشقت کو دور اور گنجائش وکشادگی پیدا کرنے میں پڑتی ہے، یہ اس قدر ضروری نہیں ہوتے، جن کی عدم موجودگی کی وجہ سے نظامِ حیات میں خلل واقع ہو؛ البتہ مشقت لاحق ہو جاتی ہے، جیسے: سفر میں نماز وغیرہ کی رخصتیں۔

(ج) تحسینی: اس سے مراد وہ مقاصد ہیں، جن کے فوت ہونے کی وجہ سے نہ تو دین ودنیا کا کوئی نقصان لازم آتا ہو اور نا ہی حرج ومشقت لاحق ہوتی ہو؛ البتہ زندگی کی گاڑی حسن وخوبی کے ساتھ چلانے کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہے، یعنی ایسے مقاصد، جن کا تقاضا اخلاق ومروءت اور آداب وعادات کرتے ہیں، جیسے: کھانے پینے کے آداب اور زیب وزینت وغیرہ (١١٠)۔

---

(١٠٨) علم مقاصد الشریعۃ: ١/ ٤٣

(١٠٩) الموافقات: ٢/ ٣٨

(١١٠) علم مقاصد الشریعۃ: ١/ ١٧، علم أصول الفقہ للخلاف، ص: ١٩٧

۳- مرتبہ کے اعتبار سے: اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) اصلی: وہ مقاصد ہیں، جن میں مکلف کا عمل دخل نہیں ہوتا اور جو حفاظت کے اعتبار سے وجوب کے درجہ میں ہوتے ہیں؛ بل کہ شرعی احکام کے مقصود یہی مقاصد ہوتے ہیں، جیسے: تعبدی امور کہ ان میں مکلف کا کوئی عمل دخل نہیں۔

(ب) ضمنی (تبعی): وہ مقاصد ہیں، جن میں مکلف کا عمل دخل ہوتا ہے اور حفاظت کے اعتبار سے جو مباح کے درجہ میں ہوتے ہیں، جیسے: شادی بیاہ وغیرہ(۱۱۱)۔

۴- عموم وخصوص کے اعتبار سے: عموم وخصوص کے اعتبار سے مقاصد کی تین قسمیں ہیں:

(الف) عام: وہ مقاصد ہیں، جن کی رعایت شارع نے تمام یا اکثر قوانین میں کی ہے، جیسے: ضروریات خمسہ کی رعایت، یا جلب منفعت اور دفع مضرت کی رعایت، یا پھر رخصت وسہولت اور حرج ومشقت کو دور کرنے کی رعایت وغیرہ۔

(ب) خاص: وہ مقاصد ہیں، جن کی رعایت شارع نے بعض قوانین یا شریعت کے کسی خاص باب میں کی ہے، جیسے: عبادات کے مقاصد، معاملات کے مقاصد یا عبادات میں طہارت سے متعلق مقاصد وغیرہ۔

(ج) جزئی: وہ مقاصد ہیں، جن کی رعایت شارع نے کسی خاص مسئلہ میں کیا ہو، جیسے: وضو کے خاص مقاصد، نماز کے خاص مقاصد وغیرہ(۱۱۲)۔

ناسخ ومنسوخ

دلائل شرعیہ میں بسا اوقات اس طور پر تعارض واقع ہوتا ہے کہ ایک دلیل ایک حکم کی

---

(۱۱۱) علم مقاصد الشریعۃ: ۱/ ۵۷، علم مقاصد الشارع، ص: ۱۸۱

(۱۱۲) علم مقاصد الشارع لعبد العزیز بن عبد الرحمن، ص: ۱۹۳

متقاضی ہوتی ہے، جب کہ دوسری دلیل دوسرے حکم کی، ظاہر ہے کہ کسی ایک حکم پر ہی عمل ممکن ہے، ایسی صورت میں اصولیین نے تعارض کو دور کرنے کے لئے کچھ قواعد اور اصول بنائے ہیں، جن میں سے ایک 'ناسخ ومنسوخ' بھی ہے۔

نسخ کے لغوی معنی 'دور کرنے اور نقل کرنے' کے آتے ہیں (۱۱۳)، اصطلاح میں نسخ ''سابقہ شرعی حکم کو متاخر شرعی دلیل کے ذریعہ سے اٹھانے' کو کہتے ہیں (۱۱۴)، جیسے: پہلے قبلہ بیت المقدس تھا، اس حکم کو ﴿ قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ (البقرة: ۱۴۴) کے ذریعہ سے منسوخ قرار دے کر کعبۃ اللہ کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔

نسخ کا تعلق چوں کہ وحی سے ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے؛ اس لئے ان احکام شرعیہ میں اب نسخ واقع نہیں ہوسکتا، جن میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں، جیسے: ایمانیات، اصول عبادات، اصول معاملات، مکارم اخلاق (جیسے: سچائی و پاک دامنی وغیرہ)، اسی طرح وعد و وعید اور زنا و شرک اور ظلم وغیرہ؛ البتہ وہ فروعی احکام، جن میں تبدیلی ممکن ہے، ان میں نسخ واقع ہوسکتا ہے۔

نسخ کی صورتیں

نسخ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہوتی ہیں:

(الف) قرآن کا نسخ قرآن سے: جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (البقرة: ۱۸۴)، اس آیت میں مطلقاً (خواہ عذر ہو یا نہ ہو)

---

(۱۱۳) المعجم الوسیط، ص: ۹۴۷

(۱۱۴) الاتقان فی علوم القرآن: ۴/ ۱۴۳۵، ارشاد الفحول للشوکانی: ۲/ ۷۸۵

روزہ کے بدلہ فدیہ دینے کی بات کہی گئی ہے، جب کہ دوسری آیت میں رمضان کے مہینہ میں غیر معذورین کے لئے روزہ رکھنے کا حکم ہے، ارشاد ہے: **فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ** (البقرۃ:١٨٥)، اس بعد والی آیت کے ذریعہ سے پہلی آیت کا حکم منسوخ ہے۔

(ب) سنتِ متواترہ کا نسخ سنتِ متواترہ سے: جس طرح قرآن کا نسخ قرآن سے ہوتا ہے، اسی طرح جمہور کے نزدیک سنت متواترہ کا نسخ سنت متواترہ سے جائز ہے؛ البتہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے، جیسا کہ صاحب شرح کوکب المنیر فرماتے ہیں: **وأما مثال نسخ متواتر السنة بمتواترها فلا يكاد يوجد...** (١١٥)

(ج) خبر آحاد کا نسخ خبر آحاد سے: جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: **كنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها** (١١٦)۔

(د) قرآن کا نسخ سنت متواترہ سے: جمہور کے نزدیک جائز ہے، جب کہ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ عدم جواز کے قائل ہیں، جمہور مثال میں { **كتب عليكم إذا حضر أحدكم الموت إن ترك خيراً الوصية للوالدين والأقربين** } کی آیت کو پیش کرتے ہیں کہ اس کو "**لا وصية لوارث**" نے منسوخ کیا ہے۔

(ھ) سنت متواترہ کا نسخ خبر آحاد سے: خبر آحاد قوت میں چوں کہ متواتر سے کم ہے؛ اس لئے اس سے متواتر کا نسخ درست نہیں۔

(و) خبر آحاد کا نسخ سنت متواترہ سے: جب خبر آحاد کا نسخ خبر آحاد سے جائز ہے تو خبر آحاد کا نسخ سنت متواتر سے بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا کہ متواتر قوت میں آحاد سے بڑھا ہوا ہے (١١٧)۔

---

(١١٥) شرح الکوکب المنیر، ص: ۵٦١۳ (١١٦) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ٩٧٧

(١١٧) شرح الورقات لعبداللہ الفوزان، ص: ٩٨ ومابعدہا، الأصول من علم الأصول، ص: ٥٢، تیسیر الوصول الی قواعد الأصول لعبدالمؤمن البغدادی الحنبلی: ١/ ٢٦٢

تعارض وترجیح

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ بعض دفعہ بظاہر دلائل میں تعارض نظر آتا ہے؛ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ دلائل میں مطلقاً تعارض نہیں پایا جاتا؛ البتہ مجتہدین کے غور وفکر میں تعارض واقع ہونے کی وجہ سے دلائل متعارض نظر آتے ہیں، مثلاً قرآن مجید میں ہے: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ (البقرۃ: ٢٤٠)، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کی عدت، جس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہو، ایک سال ہے، جب کہ قرآن مجید میں ایک دوسری آیت ہے: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا (البقرۃ: ٢٣٤)، اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ مذکورہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہیں، دونوں باتوں میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے؛ حالاں کہ حقیقتاً تعارض ہی نہیں؛ کیوں کہ سال بھر کی عدت کا تعلق ابتدائے اسلام سے ہے اور چار ماہ دس دن کا تعلق بعد کے دور سے ہے کہ چار ماہ دس دن والی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے؛ اس لئے یہ پہلی آیت کے لئے ناسخ ہے اور پہلی آیت منسوخ اور اصل حکم بعد والا ہے۔

اس طرح کی آیتوں میں اس وقت کوئی دشواری نہیں ہوتی، جب ایک آیت کے پہلے اور دوسری آیت کے بعد میں نازل ہونے کی بات ہمیں معلوم ہو جائے؛ لیکن دشواری اس وقت پیش آتی ہے، جب ہمیں یہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ کون سی آیت نزول کے اعتبار سے مقدم ہے اور کون سی آیت مؤخر، ایسی صورت میں کس حکم کو مانا جائے اور کس کو ترک کیا جائے؟ اس کے لئے اصولیین نے کچھ قواعد اور اصول بنائے ہیں، جن کی روشنی میں ظاہراً نظر آنے والے تعارض کو دور کیا جا سکے، پہلے ان چیزوں (شرطوں) کو ذکر کیا جاتا ہے، جن سے تعارض معلوم ہوتا ہے:

١- ثبوت میں برابری: یعنی دونوں متعارض دلیلیں ثبوت کے اعتبار سے ایک درجہ کی

ہوں؛ چنانچہ اگرایک دلیل کتاب اللہ کی ہو (جوقطعی ہوا کرتی ہے) جب کہ دوسری دلیل خبر واحد ہو (جوظنی ہوا کرتی ہے) تو کتاب اللہ کوخبر واحد پر مقدم کیا جائے گا اور دونوں دلیلوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

٢۔ قوت میں برابری: یعنی دونوں متعارض دلیلیں قوت کے اعتبار سے ایک درجہ کی ہوں؛ چنانچہ اگرایک دلیل 'نص' ہواور دوسری دلیل 'ظاہر'، توچوں کہ نص قوت کے اعتبار سے ظاہر سے بڑھا ہوا ہوتا ہے؛ اس لئے نص کومقدم کیا جائے گا اور دونوں کے مابین کوئی تعارض نہیں سمجھا جائے گا۔

٣۔ وقت کا اتحاد: یعنی دونوں دلیلیں ورود کے اعتبار سے ایک ہی وقت کی ہوں؛ چنانچہ اگرایک دلیل پہلے کی اور دوسری دلیل بعد کی، تو دوسری دلیل کوپہلی دلیل پرمقدم کیا جائے گا اور دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں سمجھا جائے گا۔

٤۔ محل کا اتحاد: یعنی دونوں دلیلوں کا تعلق ایک ہی محل (حکم) سے ہو؛ چنانچہ اگرایک دلیل کا محل کچھ ہواور دوسری دلیل کا کچھ اور، تو دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہوگا۔

٥۔ جہت کا اتحاد: یعنی محکوم علیہ کے ساتھ حکم کے تعلق کی جہت دونوں دلیلوں میں ایک ہو؛ چنانچہ اگر دونوں دلیلوں کی جہتیں مختلف ہوں گی تو تعارض نہیں ہوگا، مثلاً: عام حالت میں بیع جائز ہے؛ البتہ جمعہ کی اذان ثانی کے بعد بیع کی ممانعت آئی ہوئی ہے، ظاہر ہے کہ دونوں حکموں کی جہتیں الگ ہیں؛ اس لئے دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

٦۔ دونوں دلائل سے ثابت ہونے والا حکم مختلف ہو: دونوں دلیلوں سے ثابت ہونے والے احکام ایک دوسرے کے معارض اور مخالف ہوں؛ چنانچہ اگر دونوں دلیلوں سے ثابت شدہ حکم ایک ہی ہو تو تعارض نہ ہوگا (١١٨)

---

(١١٨) البحر المحیط: ٦/ ١٠٩، ارشاد الفحول: ٢/ ١١١٥

تعارض کو دور کرنے کے طریقے

تعارض کی مندرجہ بالا شرطوں کے پائے جانے کی صورت میں اس کو دور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقے اپنائے جاتے ہیں:

١ - **جمع وتطبیق:** دو متعارض دلیلوں کے تعارض کو ختم کرنے کا ایک طریقہ دونوں کے درمیان جمع وتطبیق کا عمل انجام دینا ہے، جیسے: كُتِبَ عَلَيۡكُمۡ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الۡمَوۡتُ إِنۡ تَرَكَ خَيۡرًا الۡوَصِيَّةُ لِلۡوَالِدَيۡنِ وَالۡأَقۡرَبِينَ بِالۡمَعۡرُوفِ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِينَ (البقرة:١٨٠)، اس آیت میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے وصیت کو واجب قرار دیا گیا ہے، جب کہ دوسری آیت ہے: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡأُنۡثَيَيۡنِ. .... (النساء:١١)، اس آیت میں میراث کو متعین طور پر ذکر کیا گیا ہے اور وصیت کا اختیار نہیں دیا گیا ہے، اب دونوں آیتوں میں تعارض پایا جارہا ہے؛ لیکن تطبیق کی شکل اختیار کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وصیت ان والدین اور رشتہ داروں کے لئے واجب ہے، جو کسی مانع کی وجہ سے وارث نہیں بن سکتے اور بقیہ وارثین کے لئے وراثت ہے۔

٢ - **عملِ تنسیخ:** تعارض کو ختم کرنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ مانا جائے؛ البتہ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ دونوں دلیلوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ تاریخی اعتبار سے کون سی دلیل پہلے ہے اور کون سی بعد میں، جو دلیل پہلے کی ہوگی، وہ منسوخ اور جو بعد کی ہوگی، وہ ناسخ کہلائے گی، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: إِنۡ يَكُنۡ مِنۡكُمۡ عِشۡرُونَ صَابِرُونَ يَغۡلِبُوا مِائَتَيۡنِ. (الأنفال: ٦٦)، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو دس کافر کے برابر قرار دیا ہے؛ لیکن پھر دوسری آیت میں فرمایا: الۡآنَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنۡكُمۡ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمۡ ضَعۡفًا فَإِنۡ يَكُنۡ مِنۡكُمۡ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغۡلِبُوا مِائَتَيۡنِ (الأنفال:٦٧)، یہاں ایک

مسلمان کو دو کے برابر قرار دیا ہے اور تخفیف کی صراحت بھی کی ہے، لہٰذا یہ دوسری آیت پہلی آیت کے لئے ناسخ ہے۔

۳۔ عملِ ترجیح: تعارض کو ختم کرنے کا تیسرا طریقہ یہ ہے کہ قوت کے اعتبار سے دونوں میں سے ایک دلیل کو راجح اور دوسری دلیل کو مرجوح قرار دیا جائے، جیسے:

مذکورہ تینوں دلیلوں میں سے پہلے عمل کس پر کیا جائے گا؟ اس سلسلہ میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ نسخ کا عمل اپنایا جائے گا، پھر جمع وتطبیق کا، پھر اس کے بعد ترجیح کا، جب کہ جمہور کے نزدیک پہلے جمع وتطبیق کا عمل کیا جائے گا، پھر نسخ کا، اس کے بعد ترجیح کا عمل کیا جائے گا۔

۴۔ عدول: مندرجہ بالا طریقوں سے اگر تعارض کو دور نہ کیا جا سکے تو مجتہد ان طریقوں کو چھوڑ کر قیاس کے راستہ کو اپنائے گا اور قیاس کی روشنی میں جو راجح معلوم ہو، وہی کرے گا(۱۱۹)۔

تاریخِ تدوین

جس طرح فقہ کی ابتدا شریعتِ اسلامی کے وجود کے ساتھ ہی ہوئی، اُسی طرح اصولِ فقہ کی ابتدا بھی شریعتِ اسلامی کے وجود کے ساتھ ہی ہوئی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے کئی موقعوں پر اِس کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

> **جاء رجل -وفی روایة: إمرأة- إلی النبی ﷺ فقال: یارسول الله! إن أمی ماتت، وعلیها صوم شهر، أفأقضیه عنها؟ قال: لو کان علی أمک دین، أکنت قاضیه عنها؟ قال: نعم، قال: فدین الله أحق أن یقضی (۱۲۰)۔**

---

(۱۱۹) الوجیز فی اُصول الفقہ لزیدان، ص: ۳۱۰

(۱۲۰) صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت، حدیث نمبر: ۲۳۵۳-۲۳۵۴، سنن ابی داؤد، کتاب الأقضیۃ، باب اِجتہاد الرائی فی القضاء، حدیث نمبر: ۳۵۹۲-۳۵۹۳

آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا (ایک دوسری روایت میں ہے کہ عورت آئی) اور کہا: اے اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، اور اُس پر ایک مہینے کے روزے ہیں، کیا میں اُن کی طرف سے قضاء کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا اُس کی طرف سے ادا کرتے؟ اُس نے کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ کا قرض اِس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اُسے پورا کیا جائے۔

اِس حدیث میں آپ ﷺ نے حقوق العباد پر حقوق اللہ کو قیاس کرتے ہوئے سائل کو یہ جواب دیا کہ جس طرح کسی بندے کا قرض ادا کرنا ضروری ہے، اُسی طرح اللہ کے حق کو ادا کرنا ضروری ہے، امام نوویؒ فرماتے ہیں:

وفی هذه الأحاديث جواز... صحة القياس لقوله ﷺ فدين الله أحق بالقضاء (۱۲۱)۔

اِن احادیث میں آپ ﷺ کے قول **فدين الله أحق بالقضاء** کی وجہ سے قیاس کے صحیح ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں:

هششت يوماً فقبلت، وأنا صائم، فأتيت رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله! صنعت اليوم أمراً عظيماً، قبلت، وأنا صائم، قال: أرأيت لو تمضمضت بماء، وأنت صائم؟

---

(۱۲۱) شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب قضاء الصوم عن المیت: ۲۶/۸

> **فقلت: لا بأس بذلک، فقال رسول اللہ ﷺ: ففیم؟(۱۲۲)**
>
> ایک دن میں (اپنی بیوی سے) خوش ہوا تو میں نے روزے کی حالت میں اُس کا بوسہ لے لیا، پھر میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آج مجھ سے بڑا سنگین کام سرزد ہوگیا ہے، میں نے روزہ کی حالت میں (اپنی بیوی کا) بوسہ لے لیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو روزہ کی حالت میں کلی کرلے تو تمہارا کیا خیال ہے؟ (کیا اُس سے روزہ ٹوٹ جائے گا؟) میں نے کہا: اُس میں کوئی حرج نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تو اِس میں کیوں؟

اِس حدیث میں بھی آپ ﷺ نے قیاس فرمایا اور بتایا کہ جس طرح منہ میں پانی ڈال کر کلی کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اُسی طرح روزہ کی حالت میں بوسہ لینے سے روزہ پر کچھ اثر نہیں ہوتا، علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں:

> **قلت: فی ھذا إثبات القیاس، والجمع بین الشیئین فی الحکم الواحد لاجتماعھما فی الشبہ، وذلک: أن المضمضة بالماء ذریعة لنزولہ إلی الحلق، ووصولہ إلی الجوف، فیکون بہ فسادالصوم، کماأن القبلة ذریعة إلی الجماع المفسد للصوم، یقول: فإذاکان أحد الأمرین منھما غیر مفطر للصائم، فالآخر بمثابتہ(۱۲۳)۔**

---

(۱۲۲) مسند احمد، حدیث نمبر: ۳۷۴، سنن الدارمی، حدیث نمبر: ۱۷۲۴، سنن ابی داؤد، کتاب الصیام، باب القبلۃ للصائم، حدیث نمبر: ۲۳۸۵

(۱۲۳) معالم السنن، کتاب الصیام، باب القبلۃ للصائم: ۱/ ۱۴۲

میں کہتا ہوں: اِس میں قیاس کا اثبات اور دو چیزوں کے مابین شباہت کی وجہ سے دونوں کو ایک حکم میں جمع کرنا ہے، وہ اِس طور پر کہ کلی کرنا پانی کے حلق اور پیٹ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے، اِس کے ذریعہ سے روزہ فاسد ہوسکتا ہے، جیسا کہ بوسہ لینا جماع تک پہنچنے کا واسطہ ہے، جو روزہ کو توڑنے والا ہوتا ہے، فرماتے ہیں: بس جب اُن میں سے ایک روزہ کو توڑنے والا نہیں ہے تو دوسرا بھی اُسی حکم میں ہوگا۔

البتہ عہدِ نبوی میں مستقل طور پر اس طرح کے کسی فن کو مرتب نہیں کیا گیا اور مرتب کرنے کی ضرورت بھی نہ تھی؛ کیوں کہ رسول اللہ ﷺ افتاء اور قضاء کا کام وحی، الہام اور اپنے فطری اجتہاد کے ذریعہ سے انجام دیتے تھے، وحی اور الہام میں تو کسی طرح کی غلطی کا امکان نہیں تھا اور اجتہاد میں غلطی کی صورت میں آپ ﷺ کو تنبیہ کردی جاتی تھی۔

عہدِ صحابہ میں

آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا دور آیا، یہ وہ جماعت تھی، جس کو خود حضور ﷺ نے اپنی زندگی ہی میں پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے تربیت دیدی تھی؛ چنانچہ غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

لایصلینّ أحد العصر إلا فی بنی قریظة۔

کوئی بھی عصر نہ پڑھے، مگر بنو قریظہ میں۔

لیکن راستے ہی میں عصر کا وقت ہوگیا، بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ کہتے ہوئے نماز عصر ادا کرلی کہ حضور ﷺ کا مطلب صرف تعجیل تھا؛ لیکن بعض نے آپ ﷺ کے ظاہری حکم پر عمل کرتے ہوئے

یہ کہا کہ ہم تو بنوقریظہ ہی میں نماز ادا کریں گے؛ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم بنوقریظہ اِس حال میں پہنچے کہ بعض نماز سے فارغ ہو چکے تھے، جب کہ بعضوں کے لئے نماز پڑھنا باقی تھا، جب آپ ﷺ تک اِس کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے کسی پر کوئی سختی نہیں کی (۱۲۴)۔

اِس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے حکم کی وضاحت نہ کر کے صحابہ کو نصوص سے استنباط کا طریقہ سکھانا چاہا ہے، ورنہ نماز جیسے اہم معاملہ میں ضرور صراحت کرتے یا کسی جماعت پر کچھ نکیر کرتے؛ لیکن آپ ﷺ نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔

اِسی طرح نصوص سے مسائل کے استنباط پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ ﷺ نے یہ کہہ کر اُبھارا بھی ہے:

> **إذاحکم الحاکم، فاجتہد، ثم أصاب ، فلہ أجران، وإذا اجتہد، فأخطأ، فلہ أجر (۱۲۵)۔**
>
> جب حاکم فیصلہ کرنے میں اجتہاد کرتا ہے اور اِس کا اجتہاد درست ہوتا ہے تو اُسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اجتہاد میں غلطی ہو جاتی ہے تو ایک اجر ملتا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے اُن کو پرکھا کہ حل مسائل کے لئے اُس درست طریقہ کو سیکھ لیا ہے یا نہیں، جو آپ ﷺ اُنھیں سکھانا چاہتے ہیں؛ چنانچہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا تو پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے طریقۂ کار کی بابت دریافت فرمایا:

> **کیف تقضی إذا عرض لک قضاء؟ قال: اقضی بکتاب اللہ، قال: فان لم تجدہ فی کتاب اللہ؟ قال: اقضی بسنۃ رسول اللہ**

---

(۱۲۴) صحیح البخاری، باب مرجع النبی امن الأحزاب، ومخرجہ إلی بنی قریظۃ، ومحاصرتہ إیاہم، حدیث نمبر: ۴۱۱۹

(۱۲۵) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب أجر الحاکم إذا اجتہد وأصاب، أو أخطأ، حدیث نمبر: ۷۳۵۲، صحیح مسلم، کتاب الأقضیۃ، باب بیان أجر الحاکم إذا اجتہد وأصاب، أو أخطأ، حدیث نمبر: ۷۳۵۲

> **ﷺ، قال: فان لم تجده فی سنة رسول الله ﷺ؟ قال: أجتهد برائی، لاآلو۔**
>
> پیش آمدہ قضیہ میں تم کیسے فیصلہ کروگے؟ جواب دیا: کتاب اللہ کے ذریعہ سے، پوچھا: اگراس میں نہ ملے؟ عرض کیا: سنت رسول کے ذریعہ سے، دریافت فرمایا: اگراُس میں بھی نہ ملے؟ کہا: اپنی رائے (اجتہاد) کے ذریعہ سے کوشش کرنے میں ادنیٰ کوتاہی نہیں کروں گا۔

حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر ہاتھ مارکرفرمایا: تمام تعریفیں اُس ذات کے لئے، جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اپنی پسند اور رضا کی توفیق دی(۱۲۶)۔

اِسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ جب حضور ﷺ کا وصال ہوا اور اِن حضرات کے سامنے کوئی مسئلہ آیا تو اُنھوں نے اولاً کتاب وسنت کو اپنی تلاش وجستجو کا محور بنایا، جب کتاب وسنت میں مسئلہ کا حکم نہ ملا تو اجتہاد سے کام لیا، اِسی طرح امثال ونظائر کی روشنی میں حکم دیا اور فیصلے کئے؛ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسائل کے حل کے طریقۂ کار کا ذکر علامہ ابن قیمؒ نے اِس طرح نقل کیا ہے:

> **کان ابوبکر الصدیق إذا ورد علیه حکم، نظر فی کتاب الله تعالیٰ، فإن وجد فیه مایقضی به، قضی به، وإن لم یجد فی کتاب الله، نظر فی سنة رسول الله ﷺ، فإن وجد فیها مایقضی به، قضی به، فإن أعیاه ذلک، سأل الناس: هل علمتم أن رسول الله ﷺ قضی فیه بقضاء؟ فربما قام القوم، فیقولون:**

---

(۱۲۶) ابوداؤد، کتاب الأقضیة، باب کیف القضاء، حدیث نمبر: ۳۵۸۲

قضی فیه بکذا و کذا، فإن لم یجد سنة سنها النبی ﷺ، جمع رؤساء الناس، فاستشارهم، فإذا اجتمع رأیهم علی شئ، قضی به(۱۲۷)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی مسئلہ آتا تو کتاب اللہ میں دیکھتے، اگر کتاب اللہ میں فیصلہ کے لئے کوئی چیز مل جاتی تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر کتاب اللہ میں نہیں ملتی تو سنتِ رسول ﷺ میں دیکھتے، اگر اُس میں فیصلہ کے لئے کوئی چیز مل جاتی تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر نہیں ملتی تو لوگوں سے دریافت کرتے کہ کیا تم لوگ اِس بابت رسول اللہ ﷺ کے کسی فیصلے سے واقف ہو؟ بسا اوقات لوگ کہتے کہ آپ ﷺ نے اِس مسئلہ میں اِس طرح فیصلہ کیا ہے، اگر کوئی اِس طرح کا فیصلہ نہیں ملتا تو روسائے قوم کو مشورہ کے لئے جمع کرتے، اگر کسی رائے پر سب متفق ہوجاتے تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرتے۔

مسائل کے حل کے اِس طریقے سے شریعتِ اسلامی کی تیسری دلیل ''اجماع'' سامنے آئی، جس کا رتبہ یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اجماع مل جائے تو اب کتاب وسنت کی طرف رجوع کی بھی ضرورت نہیں، امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

... فإن وجد فی المسئلة إجماعاً ترک النظر فی الکتاب والسنة، فإنهما یقبلان النسخ، والإجماع لا یقبله(۱۲۸)۔

---

(۱۲۷) اعلام الموقعین، طریقۃ ابی بکر وعمر فی الحکم علی ما یرد علیہما: ۲/۱۱۵

(۱۲۸) المستصفی من علم أصول الفقہ، الفن الثالث: فی الترجیح، المقدمۃ الأولیٰ: فی بیان ترتیب الأدلۃ: ۴/۱۵۹

> اگر (مجتہد) مسئلہ میں اجماع پائے تو کتاب وسنت میں نظر ترک کردے؛ کیوں کہ یہ دونوں نسخ کو قبول کرتے ہیں، جب کہ اجماع نسخ کو قبول نہیں کرتا۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو اُنھوں نے بھی مسائل کے حل کے لئے یہی طریقہ اپنایا، امام بیہقیؒ نقل کرتے ہیں کہ میمونؒ بن مہران نے کہا:

> **أن عمر بن الخطاب كان يفعل ذلک، فإذا أعيا أن يجد فی القرآن و السنة، نظر: هل كان لإبی بكر فيه قضاء؟ فإن وجد أبابكر قد قضى فيه بقضاء، قضى به، وإلا دعا رؤوس المسلين و علمائهم، فاستشارهم، فإذا اجتمعوا على الأمر، قضى بينهم (۱۲۹)۔**

> حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، جب وہ بھی کتاب وسنت میں نہیں پاتے تو دیکھتے: کیا اِس سلسلہ میں (حضرت) ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوئی فیصلہ کیا ہے؟ اگر (حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ پاتے تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرتے، ورنہ علمائے امت اور سر بر آوردانِ قوم کو جمع کرکے اُن سے مشورہ کرتے، اگر کسی رائے پر اتفاق ہوجاتا تو اُس کے مطابق اُن کے مابین فیصلہ کرتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اپنے گورنروں کو بھی یہ حکم دیتے تھے کہ فیصلہ کرنے اور حکم بتانے میں امثال ونظائر کو سامنے رکھیں؛ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

> **الفهم الفهم فيما تخلّج فی صدرک مما لم يبلغک فی**

---

(۱۲۹) السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب آداب القاضی، باب ما یقضی بہ القاضی ویفتی بہ المفتی، اثر نمبر: ۲۰۳۴۱ (۱۹۶/۱۰)

الكتاب و السنة، اعرف الأمثال و الأشباه، ثم قس الأمور عند ذلک، فاعمد إلى أحبها إلى الله و أشبهها بالحق فيما ترى(۱۳۰)۔

کتاب وسنت میں نہ ہونے کی وجہ سے جس چیز (حکم) کے بارے میں تمہیں اختلاجِ قلب ہو، اُن میں سوچو سمجھو، امثال ونظائر معلوم کرو، پھر معاملوں کو اُن پر قیاس (منطبق) کرو اور ایسی چیز کو اختیار کرو، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور تمہارے خیال کے مطابق حق سے زیادہ مشابہ ہو۔

اسی طرح قاضی شریح ؒ کو لکھتے ہیں:

إن جاءک شئ فی کتاب الله، فاقض به، و لا تلفتک عنه الرجال، فإن جاءک ما ليس فی كتاب الله، فانظر سنة رسول الله ﷺ، فاقض بها، فإن جاءک ما ليس فی كتاب الله، ولم يكن فيه سنة من رسول الله ﷺ، فانظر ما اجتمع عليه الناس، فُخذ به، فإن جاءک ما ليس فی كتاب الله، ولم يكن فی سنة رسول الله ﷺ، ولم تتكلم فيه أحد قبلک، فاختر أیّ الأمرين من شئت، إن شئت أن تجتهد برأيک، ثم تُقَدم فتقدم، وإن شئت أن تتأخر، فتأخر، ولا أرى التأخر إلا خيراً لک (۱۳۱)۔

---

(۱۳۰) سنن الدارقطني، كتاب الأقضية، كتاب عمر إلى أبي موسى الأشعري، اثر نمبر: ۴۴۷۱: ۵/ ۳۶۷

(۱۳۱) سنن الدارمي، باب الفتيا و ما فيه من الشدة، اثر نمبر: ۱۶۹: ۱/ ۲۶۶

> اگر تمہارے سامنے کوئی ایسی چیز آئے، جس کا حکم کتاب اللہ میں ہو تو اُسی کے مطابق فیصلہ کرنا، قرآن کے اِس فیصلہ سے لوگ تمہیں ہٹا نہ سکیں؛ لیکن اگر کوئی ایسی چیز آجائے جس کا حکم قرآن میں نہ ہو تو سنت ِرسول اللہ ﷺ میں دیکھنا، (اگر اُس میں حکم موجود ہو تو) اُسی کے مطابق فیصلہ کرنا اور اگر کوئی ایسا امر پیش آجائے، جس کا حکم نہ قرآن میں ہو نہ سنت میں، تو اُس قول کو دیکھنا، جس پر لوگوں کا اتفاق ہو، (اگر ایسا قول ہو تو) اُس کو اختیار کرنا؛ لیکن اگر کوئی ایسا معاملہ سامنے آجائے، جس کا حکم نہ قرآن میں ہو، نہ سنت میں اور ناہی اِس پر تم سے پہلے (سلف) کا کوئی قول ہو تو دو چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا، اگر چاہو تو اجتہاد کرنا اور اجتہاد کی روشنی میں جو سمجھ میں، اُس پر عمل کرنا اور اگر چاہو تو مؤخر کرنا اور میں تو مؤخر کرنے میں ہی تمہارے لئے بہتری سمجھتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں شراب پینے والوں کی حد کے سلسلہ میں مشورہ کیا، اُس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

> **إن السكران إذا سكر هذى، وإذا هذى افترى، فاجعله حد الفرية فجعله عمر حد الفرية ثمانين (۱۳۲)۔**
>
> مدہوش شخص جب مدہوشی میں ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب

---

(۱۳۲) مصنف ابن عبدالرزاق، باب حد الخمر، حدیث نمبر: ۱۳۵۴۲ (۳۷۸/۷) تحقیق: مولانا حبیب الرحمٰن الأعظمی

> ہذیان بکتا ہے تو بہتان لگاتا ہے؛ اِس لئے ایسے شخص پر بہتان لگانے والے کی حد جاری کریں؛ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شرابی کے لئے بہتان لگانے والے کی حد اسیّ کوڑے متعین کئے۔

اِس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شراب پینے والے کو بہتان لگانے والے پر قیاس کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بھی اصولِ فقہ کا وجود تھا اور وہ اس سے فائدہ بھی اُٹھاتے تھے، یہ اور بات ہے کہ اُس وقت یہ باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے معروف نہیں ہوا تھا اور نا ہی موجودہ شکل میں مرتب تھا۔

عہدِ تابعین میں

دورِ صحابہ کے بعد جب تابعین کا زمانہ آیا تو اُنھوں نے اپنے پیش رَوْ (صحابہ رضی اللہ عنہم) کے طریقے کو اپنایا؛ چنانچہ جب ان کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ آیا تو اُنھوں نے سب سے پہلے قرآن میں دیکھا، پھر احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کیا، جب اِن دونوں میں مسئلہ کا حل نہیں ملا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاوے اور اُن کے فیصلے کی طرف رجوع کیا، اگر اُن میں مسئلہ کا حل مل گیا تو اُسی کے مطابق فیصلہ کیا ورنہ اجتہاد کیا اور اجتہاد کی روشنی میں جس کو حق سمجھا، اُس کے مطابق حکم دیا اور فیصلہ کیا؛ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کے طریقۂ کار کے بارے میں علامہ ابن حجر ہیتمی مکیؒ لکھتے ہیں:

> إنه أولاً يأخذ بما في القرآن، فإن لم يجد فبالسنة، فإن لم يجد فبقول الصحابة، فإن اختلفوا أخذ بما كان أقرب إلى القرآن، أو السنة من أقوالهم، ولم يخرج عنهم، فإن لم يجد لأحد منهم قولاً، لم يأخذ بقول أحد من التابعين؛ بل

یجتهد کما اجتهدوا (۱۳۳)۔

> وہ پہلے کتاب اللہ کو لیتے، پھر سنت ِ رسول ﷺ کو، اگر اِن دونوں میں نہ پاتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے قول کو لیتے، اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوتا تو جو قول قرآن سے یا سنت سے زیادہ قریب ہوتا، اُس کو لیتے اور اُس سے عدول نہیں کرتے؛ لیکن اگر صحابہ میں سے کسی کا قول نہیں پاتے تو تابعین میں سے کسی تابعی کا قول نہیں لیتے؛ بل کہ اُسی طرح اجتہاد کرتے، جس طرح دوسرے تابعین اجتہاد کرتے۔

اِس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ کے عہدِ مبارک سے لے کر تابعین کے دور تک ہر دور میں اصولِ فقہ کا وجود رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس طرح مرتب اور مدون شکل میں نہیں تھا، جس طرح آج ہے، اور اُس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اُن لوگوں کو لسانی ملکہ حاصل تھا، جس کی وجہ سے وہ لوگ الفاظ کے معانی سے مکمل طور پر استفادہ کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اور نصوص کے صحیح مفہوم تک پہنچنے میں اُنھیں کسی طرح کوئی دُشواری پیش نہیں آتی تھی؛ اِس لئے یہ اصول اُن کی کتابوں اور اُن کے شاگردوں کے پاس منتشر اور بکھرے ہوئے تھے، اُن کو یکجا نہیں کیا گیا تھا؛ البتہ ہر مجتہد حکم بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اُس کی دلیل اور وجہِ استدلال بھی بیان کرتا، اسی طرح اس مجتہد کا اگر کوئی مخالف رائے رکھنے والا ہوتا تو وہ مخالفت کی وجوہ بھی بیان کرتا اور یہ تمام امور اصولی ضابطوں کے دائرے ہی میں انجام دیے جاتے تھی۔

ترتیب وتدوین

جب تابعین کے دور میں فتوحاتِ اسلامیہ کی وجہ سے عجم کے ساتھ اختلاط بڑھ گیا،

---

(۱۳۳) الخیرات الحسان فی مناقب الامام الأعظم أبي حنیفة النعمان، ص: ۳۰، ط: مطبعة السعادة، مصر

جو عربی زبان کے نشیب وفراز سے واقف نہیں تھے تو فہمِ نصوص میں غلطیاں ہونے اور حکم کی تعیین میں دُشواریاں پیش آنے لگیں، اِسی طرح علمائے مجتہدین کی کثرت کی وجہ سے طرقِ استنباط اور اجتہادات کی بھی کثرت ہوگئی، جس کا غلط فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہوائے نفسانی کے بعض پرستاروں نے ایسی چیزوں سے بھی استدلال کرنا شروع کر دیا، جن سے استدلال درست نہیں، ایسے وقت میں علمائے مجتہدین نے ایسے اصول اور قواعد مرتب کرنا ضروری سمجھا، جن کی وجہ سے نصوص کے سمجھنے اور حکم کے لگانے میں غلطی کا امکان باقی نہ رہے اور خواہش پرستوں کا راستہ مکمل طور پر بند ہو جائے۔

مدون اول

مجتہدین کے اِن بکھرے ہوئے شہ پاروں کو سب سے پہلے مرتب اور باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے متعارف کرانے والی شخصیت، جن کی کتاب ہم تک پہنچی اور جو آج بھی متداول ہے، وہ حضرت امام شافعیؒ ہیں، جنھوں نے ''الرسالہ'' کے نام سے علاحدہ کتابی شکل میں ان اصولوں کو مرتب فرمایا، علامہ ابن خلدونؒ اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> لما انقرض السلف وذهب الصدر الاول وانقلبت العلوم كلها صناعة كما قررناه من قبل احتاج الفقهاء والمجتهدون إلى تحصيل هذه القوانين والقواعد لاستفادة الأحكام من الأدلة فكتبوها فنا قائما برأسه سموه أصول الفقه وكان أول من كتب فيه الشافعي رضي الله تعالى عنه أملى فيه رسالته المشهورة، تكلم فيها في الأوامر والنواهي والبيان والخبر والنسخ وحكم العلة المنصوصة من القياس (۱۳۴)

---

(۱۳۴) مقدمہ ابن خلدون: ۱/۵۷۵، الفصل التاسع: فی أصول الفقہ وما یتعلق بہ من الخلاف والجدل

> جب اسلاف چلے گئے اور پہلی صدی ختم ہوگئی اور تمام علوم نے ایک فن کی شکل اختیار کرلی ، جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں تو فقہا اور مجتہدین نے بھی ادلہ سے استفادۂ احکام کے لئے اِن (بکھرے ہوئے) قوانین اور قواعد کو الگ کرنے کی ضرورت محسوس کی ؛ چنانچہ اُنھوں نے ایک الگ فن کی حیثیت سے اِس کو لکھا اور اِس کا نام ''اصولِ فقہ'' رکھا اور سب سے پہلے جس نے اِس موضوع پر تصنیف کی، وہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ ہیں، جنھوں نے اپنا مشہور رسالہ املا کرایا، اِس میں انھوں نے اوامر، نواہی، بیان، خبر، نسخ اور قیاس کی علتِ منصوصہ کے حکم کے بارے میں گفتگو کی۔

اِس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ حضرت امام شافعیؒ وہ پہلے شخص ہیں، جن کی اصولِ فقہ پر مرتب کردہ کتاب وہ پہلی کتاب ہے، جو اصولِ فقہ کی نسبت سے ہم تک پہنچی ہے؛ لیکن اِس میں اختلاف ہے کہ کیا اِس فن پر ''الرسالہ'' سے پہلے بھی کوئی کتاب تصنیف کی گئی تھی یا نہیں؟ بعض حضرات اِس بات کے قائل ہیں کہ اِس سے پہلے اِس فن پر کتاب مرتب کی گئی تھی ؛ لیکن زمانہ کے دست برد سے نہ بچ سکی اور ہم اُن کے استفادے سے محروم رہ گئے ؛ چنانچہ مشہور محقق ابوالوفا افغانیؒ لکھتے ہیں:

> وأما أول من صنف فی علم الأصول ـ فیما نعلم ـ فهو إمام الأئمة، وسراج الهدیٰ أبو حنیفة النعمان حیث بین طرق الاستنباط فی ''کتاب الرأي'' له، وتلاه صاحباه القاضي الإمام ابو یوسف یعقوب بن ابراهیم الأنصاري، والإمام

الرباني محمد بن الحسن الشيباني رحمهما الله، ثم الإمام محمد بن ادريس الشافعي رحمه الله (۱۳۵)۔

ہمارے علم کے مطابق سب سے پہلے علمِ اصول میں امام ابوحنیفہؒ نے تصنیف کی، چنانچہ اُنھوں نے اپنی ”کتاب الرائے“ میں استنباط کے طریقے واضح کئے اور اِن کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہا اللہ اِن کے نقشِ قدم پر چلے، پھر امام شافعیؒ ہیں۔

اسی طرح ابن ندیم نے اپنی کتاب ”**الفہرست**“ میں امام ابو یوسفؒ کے حالات میں لکھا ہے:

و لأبي يوسف من الكتب في الأصول و الأمالي (۱۳۶)۔

اور امام ابو یوسفؒ کی اصول و امالی میں کتابیں ہیں۔

ابن ندیم کی تائید اِس بات سے ہوتی ہے کہ ابوالحسین محمد بن علی بصری شافعی معتزلی نے اپنی مشہور کتاب ”**المعتمد**“ میں کئی جگہوں پر امام ابو یوسفؒ کا اختلاف نقل کیا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:) المعتمد، باب في النبي صلى الله عليه و سلم هل كان متعبدا بالاجتهاد أم لا:

وحكي قاضي القضاة رحمه الله عن الشيخ أبي عبد الله رحمه الله أنه كان يمنع من قبول خبر الواحد فيما ينتفي بالشبه وحكي عن أبي يوسف خلاف ذلك (۱۳۷)۔

---

(۱۳۵) اصول السرخسی، کلمۃ التحقیق لأبی الوفا الأفغانی، ص: ۱/۳، ط: لجنۃ إحیا المعارف النعمانیۃ حیدرآباد

(۱۳۶) الفہرست لابن الندیم، اخبار ابی یوسف: ۶/۲۵۶

(۱۳۷) المعتمد، باب فی ما یقبل فیہ خبر الواحد و ما لا یقبل فیہ: ۲/۵۷۰-۵۷۱

ایک دوسری جگہ نقل کرتے ہیں:

قال أبو علي وأبو هاشم رحمهما الله إنه لم يكن متعبدا بالاجتهاد في شيء من الشرعيات وحكي عن أبي يوسف رحمه الله أنه كان متعبدا بذلك(۱۳۸)۔

اسی طرح امام محمدؒ کے حالات میں ابنِ ندیم نے لکھا ہے:

ولمحمد من الكتب في الأصول كتاب اجتهاد الرأي، كتاب الاستحسان، كتاب أصول الفقه(۱۳۹)۔

اورامام محمدؒ کی اصول میں کتابیں ہیں، جیسے: کتاب اجتہاد الرائ، کتاب الاستحسان، کتاب اصول الفقہ۔

بہرحال! اگر یہ بات تسلیم بھی کرلی جائے کہ امام ابوحنیفہؒ اوراُن کے شاگردان امام ابو یوسفؒ اورامام محمدؒ کی بھی اِس موضوع پرکوئی کتاب تھی توبھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مدون ہوکر ہم تک حضرت امام شافعیؒ کی ''الرسالہ'' ہی سب سے پہلے پہنچی؛ اِس لئے اِس فن کی تدوین کا سہر ااُنھیں کے سر رکھا جائے گا۔

بعد کے ادوار میں

حضرت امام شافعیؒ کی ''الرسالہ'' منصۂ وجود میں آنے کے بعد اِس فن پرتالیفات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا، جوآج تک جاری ہے، الرسالہ چوں کہ اِس فن کی پہلی اینٹ تھی؛ اِس لئے اصولِ فقہ کے تمام وہ مباحث، جوآج وجود میں آچکے ہیں، نہیں تھے اور یہ الرسالہ کے لئے نقص کی بات نہیں؛ کیوں کہ کسی چیز کی بنیاد رکھنا کس قدر دُشوار ہوتا ہے، یہ اہلِ فن سے مخفی نہیں۔

---

(۱۳۸) المعتمد، باب فی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھل کان متعبدا بالاجتہاد ام لا: ۲/ ۲۱ ۷

(۱۳۹) الفہرست لابن الندیم، محمد بن الحسن: ۲/ ۲۵۷

حضرت امام شافعیؒ کی اِس بنیادی کتاب کے بعد فقہائے امت اور مجتہدین کرام کو غور وفکر کا ایک نیا راستہ ملا؛ چنانچہ اُنھوں نے اِس فن کے اندر تحقیق وجستجو کے نئے نئے در کھولے، پھر تالیف وتصنیف کے میدان میں جدید طریقے اختیار کئے، اب اِس فن پر تصنیف شدہ کتابیں پانچ نہج پر دستیاب ہیں۔

اصولِ فقہ پر تصنیف شدہ کتابوں کا نہج

اصولِ فقہ کے موضوع پر جو کتابیں تالیف کی گئیں، اُن پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن کتابوں کا طریقۂ تالیف پانچ ہیں (۱۴۰):

(۱) طریقۂ احناف: اِس کو ’طریقۂ فقہا‘ بھی کہا جاتا ہے، اِس طریقہ میں اصول مرتب کرتے وقت مذہب کے فروعی مسائل کی تطبیق کی رعایت کی جاتی ہے؛ حتیٰ کہ ائمہ سے منقول فروعات کے مطابق بھی اصول مرتب کئے جاتے ہیں؛ کیوں کہ اِن حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ ائمہ نے مسائل کی تفریع میں کسی نہ کسی اصول کو سامنے رکھا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات فقہی نکتوں میں بھی غواصی کرتے ہیں؛ چنانچہ علامہ ابن خلدونؒ رقم طراز ہیں:

> **فکان لفقهاء الحنفية فيها اليد الطولى من الغوص على النكت الفقهية والتقاط هذه القوانين من مسائل الفقه ما أمكن** (۱۴۱)۔
>
> فقہائے احناف کو اِس فن میں فقہی نکتوں میں غواصی کرنے اور ممکن حد تک فقہی مسائل سے اصول مرتب کرنے میں کمال حاصل ہے۔

---

(۱۴۰) المہذب فی علم اصول الفقہ المقارن: ۱/۶۵، الوجیز فی أصول الفقہ لعبدالکریم زیدان، ص: ۱۶۔۱۸، علم أصول الفقہ للخلاف، ص: ۱۶۔۲۰، مرتقی الوصول إلی تاریخ علم الأصول، ص: ۱۱۔۱۳

(۱۴۱) مقدمہ ابن خلدون: ۱/۵۷۶، الفصل التاسع: فی أصول الفقہ وما یتعلق بہ من الخلاف والجدل

اِس نہج پر تالیف شدہ اہم کتابیں درج ہیں:

۱۔ تقویم الأدلة للامام أبو زید الدبوسي (متوفی: ۴۳۰ھ)

۲۔ مآخذ الشرائع لأبی منصور الماتریدي (متوفی: ۳۳۳ھ)

۳۔ رسالة فی الأصول لأبی الحسن الکرخي (متوفی: ۴۸۳ھ)

۵۔ الفصول فی الأصول لأبی بکر الجصاص (متوفی: ۳۷۰ھ)

۶۔ کنز الوصول الی معرفة الأصول لفخر الاسلام علی بن محمد البزدوي (متوفی: ۴۸۲ھ)

۷۔ اصول السرخسی لأبی بکر أحمد بن ابی سهل السرخسي (متوفی: ۴۹۰ھ)

۸۔ مسائل الخلاف لأبی عبدالله حسین بن علی الصیمري (متوفی: ۴۳۶ھ)

۹۔ المیزان فی أصول الفقه لأبی الفتح محمد بن عبد الحمید الأسمندي (متوفی: ۴۸۸ھ)

۱۰۔ منار الأنوار لأبی البرکات عبدالله النسفي (متوفی: ۷۱۰ھ)

۱۱۔ المغنی فی أصول الفقه لأبی محمد عمر بن محمد عمر الخبازي (متوفی: ۶۹۱ھ)

۱۲۔ المنتخب فی أصول المذهب لحسام الدین محمد بن محمد الأخسیکتیي (متوفی: ۶۴۴ھ)

۱۳۔ میزان الأصول فی نتائج العقول لأبی بکر محمد بن احمد علاالدین السمرقندي (متوفی: ۵۳۹ھ)

(۲) طریقۂ جمہور: اِس طریقہ میں کتابوں کی تالیف کا انداز یہ ہے کہ عقلی استدلال میں سختی برتی جاتی ہے، اور جدل ومناظرہ میں وسعت سے کام لیا جاتا ہے، اِسی طرح فروعی مسائل کے ساتھ تطبیق دیئے بغیر اصول کو ثابت کیا جاتا ہے، خواہ یہ اصول مذہب کے فروعی مسائل کے

خلاف ہی کیوں نہ پڑتے ہوں، مقدمہ ابن خلدون میں ہے:

> **والمتكلمون يجردون صور تلك المسائل على الفقه ويميلون إلى الاستدلال العقلي ما أمكن لأنه غالب فنونهم ومقتضى طريقتهم(۱۴۲)۔**
>
> اور متکلمین اصول فقہ کے مسائل کو فقہی مسائل (کے ساتھ تطبیق دینے) سے خالی رکھتے ہیں اور ممکن حد تک عقلی استدلال کی طرف مائل ہوتے ہیں؛ اِس لئے کہ یہ (چیز) اُن کے فن پر غالب اور اُن کے طریقے کے مطابق ہے۔

جمہور کے اس طریقہ کو اہلِ کلام سے مشابہت کی وجہ سے "طریقۂ متکلمین" بھی کہا جاتا ہے، یہ طریقہ اہلِ سنت والجماعت میں سے شوافع، موالیک، حنابلہ اور اہلِ ظواہر کا ہے، اِسی منہج کو معتزلہ نے بھی اختیار کیا ہے، اِس نہج پر تالیف شدہ اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

شوافع کی کتابیں

۱۔الرسالۃ للإمام الشافعی علیہ الرحمۃ (متوفی: ۲۰۴ھ)

۲۔المستصفی للغزالی علیہ الرحمۃ (متوفی: ۵۰۵ھ)

۳۔البرھان لإمام الحرمین الجوینی (متوفی: ۴۷۸ھ)

۴۔الاحکام فی أصول الأحکام للأمدی (متوفی: ۶۳۱ھ)

۵۔المحصول للإمام الرازی (متوفی: ۶۰۶ھ)

۶۔المنخول للغزالی علیہ الرحمۃ (متوفی: ۵۰۵ھ)

۷۔قواطع الأدلۃ لابن السمعانی (متوفی: ۴۸۹ھ)

---

(۱۴۲) مقدمہ ابن خلدون: ۱/ ۵۷۶ الفصل التاسع: فی أصول الفقہ وما یتعلق بہ من الخلاف والجدل

۸۔ التبصرة لأبی اسحاق الشیرازی (متوفی:۴۷۶ھ)

۹۔ منهاج الوصول الی علم الأصول للبیضاوی (متوفی:۶۸۵ھ)

۱۰۔ البحر المحیط للزرکشی (متوفی:۷۹۴ھ)

مالکیہ کی کتابیں

۱۔ التقریب والارشاد فی ترتیب طرق الاجتهاد للقاضی أبی بکر الباقلانی (متوفی:۴۰۳ھ)

۲۔ إحکام الفصول فی أحکام الأصول لأبی الولید الباجی (متوفی:۴۷۴ھ)

۳۔ منتهی السول والأمل فی علمی الأصول والجدل لابن الحاجب (متوفی:۶۴۶ھ)

۴۔ الضیاء اللامع شرح جمع الجوامع لحلولو المالکی (متوفی:۸۹۸ھ)

۵۔ شرح تنقیح الفصول لشهاب الدین القرافی (متوفی:۶۸۴ھ)

۶۔ نفائس الأصول شرح المحصول للقرافی (متوفی:۶۸۴ھ)

۷۔ شرح البرهان للمازری (متوفی:۵۳۶ھ)

حنابلہ کی کتابیں

۱۔ العدة لأبی یعلی (متوفی:۴۵۸ھ)

۲۔ التمهید لأبی الخطاب (متوفی:۵۱۰ھ)

۳۔ الواضح لابن العقیل (متوفی:۵۱۳ھ)

۴۔ روضة الناظر وجنة المناظر لابن قدامه (متوفی:۶۲۰ھ)

۵۔ شرح الکوکب المنیر لابن النجار (متوفی:۹۷۲ھ)

اہلِ ظواہر کی کتابیں

۱۔ الاحکام فی أصول الأحکام لابن حزم (متوفی:۴۵۶ھ)

۲۔النبذ لابن حزم

معتزلہ کی کتابیں

۱۔المعتمد لأبی الحسین البصری المعتزلی (متوفی: ۴۶۳ھ)

۲۔العمدۃ للقاضی عبد الجبار بن احمد الهمدانی المعتزلی (متوفی: ۴۱۵ھ)

۳۔شرح العمدۃ لأبی الحسین البصری (متوفی: ۴۶۳ھ)

(۳) احناف وجمہور کے مابین جمع وتطبیق کا طریقہ: اِس طریقے میں اولاً اصولی قواعد کو ثابت کیا گیا ہے، پھر نقلی وعقلی دلائل سے اُن کو ثابت کر کے فقہی تفریعات کے ساتھ تطبیق دی گئی ہے، اِس طریقے کی ابتدا ساتویں صدی ہجری سے شروع ہوئی، اِس طریقے پر علمائے احناف اور علمائے جمہور دونوں کی طرف سے کوششیں ہوئی ہیں، اِس طریقہ پر تالیف شدہ اہم کتابیں درج ذیل ہیں:

۱۔بدیع النظام الجامع بین أصول البزدوی والأحکام لمظفر الدین احمد بن علی الساعاتی (متوفی: ۶۹۴ھ) جمع وتطبیق پر یہ پہلی کتاب ہے۔

۲۔تنقیح أصول الفقہ لصدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود الحنفی (متوفی: ۷۴۷ھ)

۳۔التوضیح لصدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود الحنفی (متوفی: ۷۴۷ھ)

۴۔جمع الجوامع لتاج الدین ابن السبکی (متوفی: ۷۵۶ھ)

۵۔التحریر لکمال الدین ابن الهمام (متوفی: ۸۶۱ھ)

۶۔مسلم الثبوت لمحب اللہ بن عبد الشکور البهاری (متوفی: ۱۱۱۹ھ)

(۴) اصول کے مطابق فروعات کی تخریج کا طریقہ: اِس طریقہ میں کسی بھی مسئلہ کو اصولیین کے مابین اختلاف کو ذکر کر کے اُن کے دلائل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، پھر اِس اختلاف سے متأثر ہونے والے بعض فقہی مسائل کو بیان کیا جاتا ہے، اِس طریقے پر مرتب شدہ اہم کتابیں

درج ذیل ہیں:

۱۔تخریج الفروع علی الأصول للزنجانی الشافعی (متوفی:۶۵۶ھ)

۲۔مفتاح الوصول إلی بنا الفروع علی الأصول لأبی عبداللہ محمد بن احمد التلمسانی (متوفی:۷۷۱ھ)

۳۔التمهید فی تخریج الفروع علی الأصول للاسنوی الشافعی (متوفی:۷۷۲ھ)

۴۔القواعد والفوائد الأصولیة لابن اللحام الحنبلی (متوفی:۸۰۳ھ)

(۵) مقاصد شریعت کے ساتھ ساتھ اصول پیش کرنے کا طریقہ: اِس طریقہ میں مقاصدِ شریعت کے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اصول بیان کئے جاتے ہیں، یہ طریقہ متقدمین کے طریقے سے بالکل مختلف ہے، اِس موضوع پر اہم کتاب یہ ہے:

۱۔الموافقات فی أصول الشریعة لأبی إسحاق الشاطبی المالکی (متوفی:۷۹۰ھ)

عصر حاضر کی تالیف شدہ تقریباً تمام اصول فقہ کی کتابوں میں ایک باب 'مقاصد شریعت' کا ہوتا ہے۔

عصر حاضر کی بعض اچھی کتابیں:

۱۔علم اصول الفقه لعبدالوهاب الخلاف (متوفی:۱۳۷۵ھ)

۲۔تسهیل الأصول إلی علم الأصول لمحمد بن عبدالرحمن المحلاوی (متوفی:ھ)

۳۔المهذب فی علم اصول الفقه المقارن لعبدالکریم بن علی بن محمد النملة

۴۔اصول الفقه للخضری بک

۵۔المصفی فی أصول الفقه لأحمد بن محمد بن علی الوزیر

۶۔أصول الفقه الإسلامی للدکتور وهبة الزحیلی

۷۔أصول الفقه لأبی زهرة

●●●

مصادر ومراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	اسمائے مؤلفین	وفات
۱	القرآن الکریم		
۲	تفسیر طبری	محمد بن جریر طبری	۳۱۰ھ
۳	مناھل العرفان	محمد عبد العظیم زرقانی	۱۳۶۷ھ
۴	الاتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
۵	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
۶	صحیح مسلم	مسلم بن الحجاج النیسابوری	۲۶۱ھ
۷	سنن أبوداود	ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵ھ
۸	سنن الترمذی	ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی	۲۷۹ھ
۹	سنن الدارمی	ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن الدارمی	۲۵۵ھ
۱۰	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵ھ
۱۱	السنن الکبری	ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۱۲	مسند احمد	ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱ھ
۱۳	مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاق الصنعانی	۲۱۱ھ
۱۴	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی	۴۵۸ھ
۱۵	شرح النووی علی صحیح مسلم	محی الدین یحیی بن شرف النووی	۶۷۶ھ
۱۶	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد الخطابی	۳۸۸ھ
۱۷	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین اللکھنوی	۱۲۲۵ھ

۱۸	اصول الفقہ	محمد احمد مصطفی احمد ابوزہرہ	۱۹۷۴ء
۱۹	علم اصول الفقہ	عبدالوہاب خلاف	۱۳۷۵ھ
۲۰	ارشاد الفحول إلی تحقیق الحق من علم الاصول	محمد بن علی بن محمد الشوکانی	۱۲۵۰ھ
۲۱	الاختلاف الفقہی فی المذہب المالکی	عبدالعزیز بن صالح الخلیفی	
۲۲	المحصول فی علم اصول الفقہ	محمد بن عمر بن الحسین الرازی	۶۰۶ھ
۲۳	اصول الفقہ	محمد زکریا البردیسی	۱۳۹۶ھ
۲۴	الوجیز فی اصول الفقہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفی الزحیلی	۱۴۳۶ھ
۲۵	التأسیس فی اصول الفقہ	مصطفی بن محمد بن سلامۃ	
۲۶	المہذب فی اصول الفقہ المقارن	ڈاکٹر عبدالکریم بن علی النملۃ	۲۰۱۴ء
۲۷	تیسیر علم اصول الفقہ	عبداللہ بن یوسف الجدیع	
۲۸	الوجیز فی إیضاح قواعد الفقہ الکلیۃ	ڈاکٹر محمد صدقی بن احمد الغزی	
۲۹	المصفی فی اصول الفقہ	احمد بن محمد بن علی الوزیر	
۳۰	اصول الفقہ الاسلامی	محمد مصطفی شلبی	
۳۱	اصول الفقہ تاریخہ ورجالہ	ڈاکٹر شعبان محمد اسماعیل	
۳۲	المیزان فی اصول الفقہ	ابوالفتح محمد بن عبدالحمید الأسمندی	۵۵۲ھ
۳۳	البحر المحیط فی اصول الفقہ	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الزرکشی	۷۹۴ھ
۳۴	المذہب فی اصول المذہب علی المنتخب	حسام الدین محمد بن محمد الأخسیکی	۶۴۴ھ
۳۵	معالم اصول الفقہ عند اہل السنۃ والجماعۃ	محمد بن حسین بن حسن الجیزانی	
۳۶	مختصر التحریر فی اصول الفقہ	احمد بن عبدالعزیز المعروف ابن النجار الحنبلی	۹۷۲ھ

۳۷	اصول الفقہ	ابو الثناء اللامشی	اوائل قرن السادس
۳۸	اصول السرخسی	شمش الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳ھ
۳۹	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲ھ
۴۰	جمع الجوامع	تاج الدین عبد الوہاب بن علی السبکی	۷۷۱ھ
۴۱	الوجیز فی اصول الفقہ	عبد الکریم زیدان	
۴۲	تیسیر الوصول إلی قواعد الاصول	عبد المؤمن البغدادی	۷۳۹ھ
۴۳	اصول الفقہ الاسلامی	ڈاکٹر وہبہ زحیلی	۱۴۳۶ھ
۴۴	المستصفی	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ
۴۵	کشف الأسرار	عبد العزیز بن احمد بن محمد البخاری	۷۳۰ھ
۴۶	تقویم الأدلۃ فی اصول الفقہ	ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی	۴۳۰ھ
۴۷	قواطع الأدلۃ	ابو مظفر منصور بن محمد السمعانی	۴۸۹ھ
۴۸	اصول الفقہ الذی لایسع الفقیہ جہلہ	عیاض بن نامی بن عوض السلمی	
۴۹	الموافقات	ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی	۷۹۰ھ
۵۰	الذخیرۃ	احمد بن ادریس القرافی	۶۸۴ھ
۵۱	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن امیر الحاج	۸۷۹ھ
۵۲	تلخیص الاصول	حافظ ثناء اللہ الزاہدی	
۵۳	المامول من لباب الاصول	ابو حسام الدین الطرفاوی	
۵۴	الاحکام فی اصول الأحکام	علی بن ابو علی بن محمد الآمدی	۶۳۱ھ
۵۵	اصول الفقہ	خضری بک	۱۳۴۵ھ

۵۶	التحبیر شرح التحریر	علی بن سلیمان المرداوی	۸۸۵ھ
۵۷	شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح	عبید اللہ بن مسعود المحبوبی	۷۱۹ھ
۵۸	منہاج الوصول إلی علم الاصول	عبد اللہ عمر محمد البیضاوی	۶۸۵ھ
۵۹	اصول الشاشی	ابو علی احمد بن محمد الشاشی	۳۴۴ھ
۶۰	شرح اللمعۃ	ابو اسحٰق الشیرازی	۴۷۶ھ
۶۱	شرح الورقات	عبد اللہ الفوزان	
۶۲	المعتمد	ابو الحسین البصری المعتزلی	۴۶۳ھ
۶۳	مرتقی الوصول إلی تاریخ علم الاصول	موسی بن محمد بن یحیی القرنی	
۶۴	فتح القدیر	ابن الہمام	۶۸۱ھ
۶۵	مفتاح السعادۃ ومصباح السیادۃ	طاش کبری زادہ	۹۶۸ھ
۶۶	اعلام الموقعین	محمد بن ابوبکر ابن القیم الجوزیۃ	۷۵۱ھ
۶۷	الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم	احمد بن محمد ابن حجر الہیتمی	۹۷۳ھ
۶۸	مقدمہ ابن خلدون	عبد الرحمن بن محمد	۸۰۸ھ
۶۹	الفہرست	محمد بن اسحاق المعروف بابن الندیم	۴۳۸ھ
۷۰	علم المقاصد الشریعۃ	نور الدین بن مختار الخادمی	
۷۱	علم مقاصد الشارع	عبد العزیز بن عبد الرحمن	
۷۲	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی	۱۰۹۸ھ
۷۳	معجم اصول الفقہ	خالد رمضان حسن	
۷۴	معجم مصطلحات اصول الفقہ	قطب مصطفی سانو	

۷۵	معجم لغۃ الفقہاء	ڈاکٹر رواس قلعہ جی	۲۰۱۴ھ
۷۶	المصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی الفیومی	۷۷۰ھ
۷۷	کتاب التعریفات	علی بن محمد بن علی الزین الشریف الجرجانی	۸۱۶ھ
۷۸	لسان العرب	محمد بن مکرم بن علی ابن منظور	۷۱۱ھ
۷۹	مختار الصحاح	محمد بن ابوبکر بن عبد القادر الرازی	۶۶۶ھ
۸۰	کشاف اصطلحات الفنون	محمد علی التھانوی	بعد ۱۱۵۸ھ
۸۱	المعجم الوسیط		
۸۲	کتاب الکلیات	ایوب بن موسی الکفوی	۱۰۹۴ھ
۸۳	تاج العروس	محمد بن محمد الزبیدی	۱۲۰۵ھ
۸۴	مقاییس اللغۃ	محمد احمد بن فارس	۳۹۵ھ
۸۵	الصحاح فی اللغۃ	اسماعیل بن حماد الجوہری الفارابی	۳۹۳ھ
۸۶	المعجم الوجیز	مجمع اللغۃ العربیۃ	
۸۷	المغرب فی ترتیب المعرب	ناصر بن عبد السید الخوارزمی المطرزی	۶۱۰ھ
۸۸	النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر	المبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر	۶۳۰ھ

پیش لفظ سے ....

.......ان کی یہ تازہ تالیف ''اُصولِ فقہ - تدوین وتعارف'' مختصر ہونے کے باوجود اُصولِ فقہ سے متعلق تمام موضوعات کے ضروری مضامین کی طرف اشارہ کردیا گیا ہے، اُصولِ فقہ کی تعریف، اصول وقواعد کا فرق، اُصولِ فقہ کا موضوع اور مقصد، اس کے لئے معاون علوم اور اُصولِ فقہ کے بنیادی مآخذ کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اُصولِ فقہ کے تین بنیادی مباحث ''ادلۂ شرعیہ، احکام تکلیفیہ ووضعیہ'' اور نصوص کی اپنے معنی پر دلالت کے سلسلہ میں ضروری قواعد، نیز نسخ وترجیح اور اُصولِ فقہ کی تدوین جیسے تمام اہم پہلوؤں پر اختصار کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے، اصطلاحات کی تعریف اور ان کی مثالوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا، ہر بات حوالہ کے ساتھ کہی گئی ہے، نیز زبان آسان رکھنے کی کوشش کی گئی ہے؛ تاکہ اصحابِ ذوق بھی استفادہ کرسکیں، ان شاءاللہ یہ رسالہ اُصولِ فقہ پڑھنے پڑھانے والے اساتذہ وطلبہ اور دوسرے اصحابِ ذوق کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

مؤلف کی دیگر کتابیں

آدابِ قضاء (شافعی)
محمد جمیل اختر جلیلی
ناشر

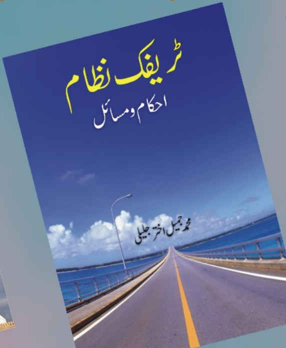
ٹریفک نظام
احکام ومسائل
محمد جمیل اختر جلیلی

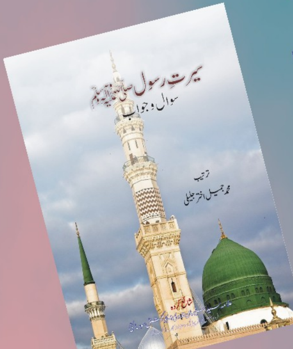
سیرت رسول ﷺ
سوال وجواب
ترتیب
محمد جمیل اختر جلیلی

تعلیم وتربیت کے لئے طلبہ کی تادیب
قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں
محمد جمیل اختر جلیلی
ناشر

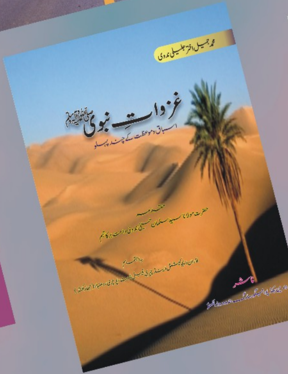
محمد جمیل اختر جلیلی ندوی
غزوات نبوی ﷺ
ناشر

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی
اُصولِ فقہ
تدوین وتعارف
مقدمہ
فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم
ناشر
فاران ایجوکیشنل اینڈ چیریٹیبل ٹرسٹ، پوچری، دھنباد (جھارکھنڈ)